

ہادیو پر شا و تاج کتب پوسٹر کتاب ہذا لکھنؤ

URDU STACKS

۱۱۲

طلسمی

طلسمی

شاهان اودھ کے پوشیدہ
خزانوں کا حیرت انگیز انکشاف
ولاور کی پراسرار قیام گاہیں ایک مہشت سالہ لڑکی کی عجیب و غریب
عیاریان خفیہ پولیس اور ایک نوجوان سوداگر کی
سپیشل سرعہ سانیان شاہان اودھ کے
سچے واقعات لکھنؤ کی مکمل تاریخ -
مصنفہ سیدہ اختر رضا جوش
حبیب ہادیو پر شا و تاج کتب پوسٹر لکھنؤ

یا ہتمام بابو کدرا ناتھ صاحب و ستانی پریس لکھنؤ میں دوسرا جلد طبع
قیمت ۱۹۶۲

M.A.LIBRARY, A.M.U.



U92954

مقید روح کردنی چار دیو ارغنا صرین
 خدا پر جوتہ بن ظاہر و چھین پہلو سانس کی
 طلسمی کرج ہر اصرار نامل

طلسمی کرج

جسمین

لہان اودھ کے پوشیدہ خزانہ کا چیرت انگیز انکشاف دلا در کی پر اسرار
 یامگا ہین ایک ہشت سالہ لڑکی کی عجیب و غریب عیار یان خفیہ
 ولسل ورا یک نوجوان سوداگر کی بے مثل سرانجام رانیان شان
 وہ کہ سچ واقعات لکھنؤ کی کل تاریخ حسن و عشق کے دلچسپ اور
 دلکش مناظر لکھنؤ کی خاص ٹکھنالی زبان میں دکھائے گئے ہیں

مصنفہ

سید افرضا بخش لکھنوی

فہرست مفت طلبہ لائے

زور و جہاں کا خواب جیلے دست ہر کے تلے ہوئے ہیں ایک بوڑھے مرد
غوثی بھید نواب دستاویز کو تو لے بنا کے ہوئے ہیں مگر جوئے کی لت ہے۔ لہذا
حسین حسین عاشقان زر کے پھندے میں نہیں پھنستی۔

خستری بگم سے بے منت نفع پہونچاتی ہے۔ جیلے دشمن در پے آزار پہونچ
بہت سے مصائب پیش آتے ہیں۔

عروں جاسوس کلکتہ کا حیرت انگیز واقعہ مشہور و معروف ڈیٹیکٹو کی قابلانہ جاسوسی کا
عجیب و غریب کارنگز لہوان۔

نور بہانہ نیرودان میں صوبہ دار شیر انگن خان کا اپنی بی بی ہر النساء کے ساتھ
شہزادہ خسرو کی بغاوت ہر النساء کا اگرہ کے محل شاہی میں آنا خسرو کا قتل۔

شوخ یہودن رازداری کا آئینہ برقی انتقام کا غوثی نظارہ دیہات کی زندگی کا نقشہ
بھولی بھالی صورتیں اور کم سن معشوق و تیلی کراؤ پر بھی نظر دیکھا
دل کا آجائو شوخی و شرارت کے حاشیہ میں ناز و انداز کی تحریر۔

موقع ادب ہندوستان کے مشہور اشراف داروں اور محققین اساتذہ سخن امیر و آراء
اکبر جلیل حالی۔ ریاض آرزو۔ برہم وغیرہ بچپن نامہ برائے قلم کے نامور
نایاب خطوط کا مجموعہ ہے۔

زر و گنبد کہنو کی مشہور بگم ملکہ جان کے خزانے کا راز و خاقان کی سوانح عمری کی ابتدا
کے عشق کا راز و نیاز کہنو کی انوار جون کا دلکش نتیجہ۔

ہمارے پورے شاد و تاجر کتب کہنو

طوسی ریح

باب

قریب آنا ہر روز عشر چھپکے کشتہ کا خون کیونکر
جو چھپا رہیگی زبان خنجر او پیکار کا آئینہ کا

قتل

کو تو ال نہیں احمد حسین بخش سے اتم رات کو کہاں تھے۔

حسین بخش۔ حضور میں کوٹھی میں موجود تھا۔

کو تو ال صاحب۔ سدا اگر شجاعت حسین صاحب کے یہاں تم کب ملازم تھے۔

حسین بخش۔ قریب قریب ۹ سال ہے۔

کو تو ال صاحب۔ اچھا اب واقعہ بیان کرو۔

حسین بخش۔ سوداگر صاحب کا وطن دہلی تھا۔ لکھنؤ جب کبھی آتے تھکوا اپنے ہمراہ ضرور

لائے جتا پنجہ منگل کے دن پانچ نومبر کو سوداگر صاحب لکھنؤ تشریف لائے مگر اس مرتبہ اپنے

ہمراہ چھوٹی بیگم صاحبہ کو بھی لائے۔

کو تو ال صاحب۔ چھوٹی بیگم کون۔

حسین بخش۔ چھوٹی بیگم صاحبہ جن کا نام نور جہاں بیگم سوداگر صاحب کی صاحبزادی

ہیں۔ انکی والدہ بڑی بیگم صاحبہ دو سال ہوئے انتقال کر گئیں۔ سوداگر صاحب کے عزیزوں

تو بہت ہیں مگر ان کے ہمراہ صرف چھوٹی بیگم صاحبہ ہی رہتی ہیں سوداگر صاحب کے ایک حقیقی

بھتیجے ظہر حسین صاحب ہیں جن سے سوداگر صاحب بہت محبت کرتے تھے انکی سوا لکڑی

کی دو کالٹ این آباد پارک میں ہے۔ جب سوداگر صاحب لکھنؤ آتے تو ظہر حسین صاحب

یہاں ان سے ملنے کی غرض سے روز ہتے مگر اتفاق سے آجکل وہ بھی دہلی میں ہیں کالٹ کا پکا

خط آیا تھا شاید آج آج اورین گھڑی کی طرف دیکھ کر کہ بجے گا طبری آتی ہے ۹ بجے میں پانچ منٹ
باقی ہیں اگر اس گاڑی سے آئے تو غالباً آتے ہی ہونگے۔

کو تو ال صاحب - خیر اب راستہ کا واقعہ بیان کرو۔

حسین بخش - حضور غالباً رات کے دو بجے ہوں گے کہ سوداگر صاحب کے کمرہ میں دنگلی کے

اشارے سے جا کر بائیں کمرے کی آواز آئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ کوئی شخص نہایت سختی کے لہجہ

میں کہہ رہا ہے تجھ کو میل کھانا ماننا پڑے گا۔ اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی چاہتا تھا اٹھوں

کہ ایک اٹھ میری گردن پر پڑا اور اس روز سے گلا دبا یا کہ میرے منہ کھل گیا ایک روپاں میرے

منہ میں ٹھونس دیا گیا اور تجھ کو ایک ڈوری سے جکڑ دیا گیا میں قریب قریب بے ہوش چلا

تھا کہ میں نے سوداگر صاحب کی آواز یہ کہتے ہوئے سنی جو چہرہ حسین اور کچھ چمکی کہ آنکھ

غالباً اس آواز سے کھلی تھی۔ دوڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سیڑھی کی آواز آئی اور اس

آواز کے چند منٹ کے بعد دو فیہر پھر ہوئے اتنی دیر میں میری غیبی حالت ہو گئی تھی

اور ان تاثر تو تین فیہر دن سے اور بھی خیر حالت ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں بہوش

ہو گیا مجھے جب تک ہوش نہ آیا کہ شہزادہ میں نے منہ سے رومال نہ نکالا میرے پاس

قائم نہ تھے میں جو چہرہ رکھ چلا یا کہ دوسری ماما نصیب نے یہ کہہ کر تسکین دی جو میں نے

بھال گئے اب میں اٹھالائیں جلال کیونکہ جہان بھی روشنی تھی بدستور کچھ بھاری تھی

سوداگر صاحب کے کمرہ میں داخل ہوا تو حسینی کی نشست ملی گولی سینہ پر پڑی تھی اور تڑپتی

ہوئی مکمل گئی تھی شہزادہ نے کھڑکی پر بیٹھ کر دیکھی اور یہ کہہ چلائی کہ ہائے میں کٹ گئی دکھ فرماؤں

کاغذ پر تھا کھوکھ کے کوئی وغیرہ پڑی تھی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ کس طرح ہمارا کیا اب میں بہت

کھیرا اور ان پس آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور سر کچھ کر نہ رہے چلا یا کہ "ہائے سوداگر صاحب"

سوداگر صاحب کا سر گویا پتھر سے کچلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میری آواز چھوٹی بیگم صاحبہ نے

سُن لی خوف زدہ تو بیشتر ہی سے ہو رہی تھیں مگر اس آواز کو سُن کر بے تحاشہ روڑیں کھینچ کر

گئی اور گر پڑیں۔ پھر چڑھا آئی جس کی وجہ سے غش آگیا غش سے افاتہ ہوا تو رونا شروع

کیا اور سو وقت سے اس قدر روئیں کہ بخار آگیا انکھی دھس دھس حالت ہے۔ حضور جو کچھ

کہہ واقعہ ہوا تھا میں نے بیان کر دیا

کو تو ال صاحب - تم سب یہاں کتنے آدمی ہو۔

حسین بخش۔ یوں تو سوداگر صاحب جیسا کھنوا آتے تو صرف ایک ماما اور مچکاپنے ہمارا لائے مگر اس مرتبہ خدا معلوم کیونکہ اپنے کل متعلقین کے آئے تھے بیسے تین آدمی ہلوک حسینی۔ کلو۔ اور مین شلترن و نصیب اور چھوٹی بیکم صاحبہ اور سانگی انا۔
کو تو ال صاحب۔ سوداگر صاحب جیسا دہلی میں رہتے تو یہاں کون رہتا۔
حسین بخش۔ یہاں صرف تین الما رہنے اور چند بنگلون کے اور کچھ اسباب نہ رہتا ایسے سوداگر صاحب کی عدم موجودگی میں کوٹھی مقفل رہتی۔
کو تو ال صاحب۔ ظفر حسین جن کو تم سوداگر صاحب کا بھتیجا بتاتے ہو وہ کہاں رہتے ہیں۔

حسین بخش۔ حضور ان کی دوکان امین آباد پارک میں ہے، چونکہ فاصلہ اس مقام سے رسوا تین گج زیادہ ہے اس لیے امین آباد ہی میں انھوں نے ایک مکان کرایہ پر لے لیا ہے ظفر حسین صاحب کا وطن بھی دہلی ہے ان کے والد نے انتقال کیا صرف والدہ ہیں وہ دہلی ہی میں رہتی ہیں۔ (دروازہ کی طرف دیکھ کر) اسے لیجئے وہ آ رہے ہیں۔
ظفر حسین کی عمر مشکل سے ستر برس کی معلوم ہوتی ہے رنگ کھلتا ہوا۔ بڑی بڑی آنکھیں ہاتھ پیر سنڈل قد متوسط۔ غرض کہ مردانہ طین کی مجسم تصویر ہے آتے ہی کو تو ال صاحب سے صاحب اسلام آباد کی اور حسین بخش سے پوچھا کیونکہ خیریت ہے کیا بات ہے۔ حسین بخش۔ (دروازہ پر حاضر ہوا) لوگ لٹ گئے۔ سوداگر صاحب قتل ہوئے اور ماما اور حسینی بھی مار ڈالے گئے۔

یہ سن کر ظفر حسین نے ایک چیخ ماری اور ہائے چکا اکر کر سی بر پٹھ گیا۔ پھر پوچھا کیا کیا مال گیا گھر میں تو سب خیریت ہے۔

حسین بخش۔ حضور بظاہر تو معلوم ہوا ہے کہ اسباب وغیرہ کچھ نہیں گیا اگر کچھ اور ڈاکو لیکے ہوں تو میں نہیں کہہ سکتا۔

کو تو ال صاحب۔ لیجئے یہ رپورٹ میں نے تحریر کی ہے اس میں حسین بخش کا بیان تفصیل سے تحریر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ظفر حسین نے کاغذات لیے اور غور مکنز داہیں دیے تو کو تو ال صاحب نے کہا امین ہسپتال پر جان تھا آپ آگئے تو اطمینان ہوا۔ میں یہ جاننا تھا کہ سوداگر صاحب کے اعزاء میں سے

کوئی ایسا ہو جسکے ہمراہ میں کل کو ٹھکی کامائنتہ کر دن ۔
ظفر حسین ۔ بہتر ہے امین ابھی حاضر ہوتا ہوں ذرا ٹھکراتا ہوں ۔
 ٹھکڑی دیر میں ظفر حسین گھر سے باہر آئے تو کو تو وال صاحب مکان کا معائنہ کرنے
 لگے ۔

پوری کو ٹھکی پر زرد رنگ بھلا ہوا تھا پانٹس کہ جتنے دروازہ اوسا مارا بھی وغیرہ
 تھیں سب زرد رنگی ہوئی تھیں اسی وجہ سے یہ زرد کو ٹھکی کے نام سے مکان مشہور تھا
 جن کمرے میں شجاعت صاحب قتل ہوئے تھے، نہایت وسیع تھا ۔

کمرے میں ایک مسہری تھی جسے بچے ہوئے فرش پر ٹسکن بھی نہ پڑی تھی معلوم ہوتا
 تھا کہ جیسے فرش بچھا گیا تھا ۔ اسپر کوئی سو یا بھی نہ تھا ۔

جانب شمال تین الماریاں تھیں ہونٹین تھیں جن میں سے ایک الماری خالی تھی اور

ایک میں سچی چینی کے کچھ برتن تھے اور تیسری الماری میں پرانی قلمی تصاویر اور کتابیں
 تھیں جنکی کہ سوداگر صاحب تجارت کرتے تھے ۔ تیسری الماری کے داہنے جانب ایک
 میز تھی اور کرسی بھی ہوئی پڑی تھی ۔ کرسی سے قریب آکر کے فاصلہ پر سوداگر صاحب
 کی لٹھی تھی جسم خون سے تر ہوا تھا ۔ سر پر کاری ضربیں لگائی تھیں گویا کہ تھوڑے

بے غم نہ کیا گیا ہے نہ بچ کے دروازہ کے قریب کلو کی لٹھی جس سے کوئی تیرہ چلا تھا کہ
 مقتول کس طرح مارا گیا اس لٹھی سے تین گز فاصلے پر جھینگی کی لٹھی تھی جس کے سینہ پر گولی
 پڑی تھی ۔ میز پر ایک چھوٹا سا بکس تھا ۔ بکس کھولا گیا جس میں تین قطع لوٹ دس دن
 کے اور ۴ روپے بکھے ۔

جب کمرے کا اچھی طرح معائنہ ہو چکا تو کو تو وال صاحب نے کہا ۔ بد معاشوں کو روپیہ کا
 لالچ نہ تھا ۔ بلکہ شاید اسکا مقصد صرف سوداگر صاحب کا قتل تھا کیونکہ روپیہ وغیرہ کافی
 طور سے موجود ہے ۔ اب صرف غور طلب یہ بات ہے کہ بد معاشوں کے پاس ہندو تین
 موجود تھیں اور سوداگر صاحب پر فیر نہیں ہوا ۔ ضیعی گولی کا نشانہ بنا ۔ کل کی لٹھی سے
 تیر نہیں چلتا تھا کہ وہ کس طرح مارا گیا ۔ حسین بخش کا بیان ہے کہ تین فیروں کی وار
 آئی ۔ نہایت تعجب خیز بات ہے ۔

ظفر حسین بالکل بے حس و حرکت آکھیں ہند کیے خاموش کھڑا تھا گویا کسی گہرے خیال

میں ٹوہا ہوا تھا۔
کو تو ال صاحب۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ (مسکرا کر) معلوم ہوتا ہے کہ آپ معاملہ کی تہہ تک پہنچ گئے۔

ظفر حسین (تھوڑی دیر خواہوش رہ کر) آپ کا فرمانا بہت ٹھیک ہے میں پورے طور سے
تو نہیں سمجھا مگر بہت کچھ اصلیت معلوم ہو گئی۔

کو تو ال صاحب (ظفر سے) ذرا میں بھی سنوں آپ تو پولیس سے بھی زیادہ تباہ فتناس
معلوم ہوتے ہیں۔ ان جناب آپ نے کیا نتیجہ نکالا۔

ظفر حسین۔ میں آپ کی تائید کرتا ہوں کہ بدبھاشوں کو روپیہ کا بالکل لالچ نہ تھا اگر انکا
اصلی مقصد شجاعت حسین صاحب کا قتل بھی نہ تھا۔ وہ جس لیے آئے تھے کامیاب ہوئے
شجاعت حسین صاحب کے قاتلوں کا بیٹہ نکالنا مفضل ہے بلکہ اب ہنگو شجاعت حسین صاحب
کے قاتلوں کے قاتلوں کا بیٹہ نکالنا چاہیے کیونکہ شجاعت حسین صاحب کے قاتل بالکل
بے تصور ہیں۔

کو تو ال صاحب۔ (دھنس کر) شاباش کیا تباہ فتناسی کی ہے۔ آخر اس سے کیا مطلب یہ بات
الہ تو بالکل نہیں سمجھ سکتا ہوئی ہے۔ سو داگو صاحب کے قاتل بے تصور ہیں (ادجناب واہ قاتل در
بے تصور یہ حوت آج ہی آپ سے ملنا۔ علاوہ اسکے اب آپ کے قول کے بموجب ہکو دو باتوں کی
جستجو ہوئی اول تو یہ کہ سو داگو صاحب کے قاتل کون ہیں دوسرے ان قاتلوں کے
قاتل کون ہیں۔

ظفر حسین۔ کو تو ال صاحب جو کچھ میں نے عرض کیا وہ آئینہ کی طرح صاف ہے آپ نے
زیادہ غور نہیں کیا ورنہ قتل اسکے کہ میں کچھ عرض کروں آپنا تیجہ پر پہنچ جاتے اور
میری رائے کی تائید کرتے اسلئے واقعات کا پڑا ہوا پردہ یقینی نظر کو دھوکا دیتا ہے۔ مگر
ساتھ ہی اسکے ذرا سا غور کرنے سے معاملہ صاف نظر آتا ہے۔

• (میں نے نیچے سے پڑا ہوا لفافہ اٹھایا اور خط لکھا پڑھنا شروع کیا)

• جیون جیون پڑھا چمرہ پر خوشی کے انار نمایاں ہوئے۔ چند ورق کتاب کے پھٹے
ہوئے تھے وہ بھی اٹھا کر لفافہ میں رکھ دیے۔

کو تو ال صاحب۔ کیون جناب اب کیا دجی آئی۔

ظفر حسین۔ کو تو ال صاحب۔ واقعات میرے خیال کی تائید میں پیش گھومتے جاتے ہیں یہ بچے ہوئے چند اوراق اور یہ خط۔ انداز قتل۔

یہ باتیں اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ دشمن کی قوت بے اندازہ ہے اور ان کا مقابلہ کرنا آسان بات نہیں۔

کو تو ال صاحب۔ واہ جناب واہ۔ گو ایک آپ قاتل سے بھی واقف ہو گئے اور اس کا نام بھی معلوم ہو گیا۔

ظفر حسین۔ بیشک خط ملاحظہ فرمایا لیجئے۔

کو تو ال صاحب نے خط لیکر طرہ صفا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

دیکھو تمجا امت حسین میں پھر تاکید کرتا ہوں کہ میری چیز مطلوبہ مجھ کو دید تم۔

ل لاکھ چھپاؤ اور انکار کرو مگر میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے پاس موجود ہے۔

ا اگر تم روپیہ کا لالچ ہے تو جتنا روپیہ تم کو میں دے دوں گا تمہاری خواہ تمہارا دین کتنا ہی ہو۔

و ورنہ تمہارا ذرا تمہارا کام اگر ایسا نہ کرو گے تو کوئی تمہارے غمگینی کی۔

ر رہا یہ امر کہ تم اپنی حفاظت کر سکتے ہو یہ بالکل غلط خیال ہے آخری مرتبہ تم سے کہا جاتا ہے۔

انتہا

میرا خط ۷ نومبر ۱۹۱۱ء

کو تو ال صاحب نے کئی بار خط پڑھنے کے بعد کہا کہ خط سے صرف آنا پتہ چلتا ہے کہ قاتل

سنو اگر صاحب سے کسی چیز کا خواہان ہے جس کے دینے سے ان کو انکار ہے جس پر وہ گفتا

ہے کہ اگر نہ دو گے تو قتل کیے جائیں گے اور تو کوئی بات نہیں بھی راقم کی جگہ بچائے نام کے ایک

بچے معنی نفور "میرا خط" لکھا ہے۔ اس سے نام کا پتہ کیوں کر چلتا ہے؟

ظفر حسین۔ کو تو ال صاحب دشمن کا مقابلہ آسان نہیں اور دشمن بھی کیسا کٹھن دلاؤ

سا خاطر خط کو غور سے ملاحظہ فرمائیے راقم کی جگہ وہ لکھتا ہے کہ "میرا خط" اس پر یہ بات سوچنے

کے قابل ہے کہ خط میں اس نے اپنا نام کہاں لکھا تھا تو اسے ہی غور کرنے کے بعد یہ بات حل

ہو جاتی ہے کہ ہر سطر کے شروع کا حرف لیجئے۔ اور سب کو ملا کر پڑھیے۔ دول۔ ا

و۔ ر۔ ان سب کو ملا کر دیکھو تو صاف دلاؤ اور پتہ چلتا ہے۔

دلاؤ ورنہ کا نام شکر کو تو ال صاحب کے حواس باختہ ہو گئے۔ باوجود موسم ہلکے

پیشانی پر پسینے کے قطرے چھلکنے لگے اور لہو کھڑائی ہوئی زبان سے لڑکے کو گرا دلا۔ وہ اسکی انکس تو کوٹھیں سے خشک قلم میں برآمد ہوئی تھی جسکو بائیں برس کا عصہ ہوا۔
ظفر حسین :- یہ اسکے بائیں اچھ کا تھیل تھا، صرف پو لیس کو دھوکہ دینے کی غرض سے یہ کارروائی کی گئی تھی۔ خیر خدا کا سہ ہے۔

دشمن اگر تو سبست نگہبان قوی تر است اس میں کوئی شک نہیں کہ دلا واسپ وہ دلا دین میں۔ اسکی طاقت کا اندازہ تھیل کے دائرہ سے باہر ہو گیا۔ مگر کیا اطمینان رکھیں اگر عقل سے کام لیا جاوے تو اسکو زک و بکولہنی بڑی بات ہو۔
ماما آئی اور ظفر حسین کو بلا کر اندر لے گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ظفر حسین باہر آئے اور کو تو ال صاحب سے کہا :- ہاں کو تو ال صاحب اسب آپ کی سمجھ میں آیا۔ اچھا یہ پچھلے ہوئے اوراق پڑھیں تو پورا حال معلوم ہو جائیگا۔ کو تو ال صاحب نے میرے سے لٹافہ اٹھایا تو اس میں بجائے خط درواری کتاب کے ایک چھوٹا سا برجہ رکھا تھا جسپر لکھا تھا۔

نوکسی غیم شخص کا خط پڑھنا اور وہ بھی راز کا تھیں یہ کے خلاف ہے عجب یہ خوفناک ہو رہا ہے۔
جتنے ہی پاس میرا قلم رسید سیاحی کی ضرورت میں پونہ فارم پہنچے کھڑا تھا مگر تم کیا کرو۔ چار نام سنکر پھر اسے حواس کہاں ٹھکانے تھے جو غور کرتے۔

کو تو ال صاحب عبارت پڑھکر اسقدر گھبرا گئے کہ ہاتھ سے برجہ چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔
ظفر حسین نے جلدی سے برجہ اٹھا کر پڑھنا تو کہا۔

مغضب ہو گیا کو تو ال صاحب وہ کتاب کے درق بہت عذر دی تھی خیر اسب کیا کیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے میں نہ کہتا تھا وہ معاش نہایت جا کا کسا اور ہر کشت یار ہے۔

کو تو ال صاحب دست ظفر حسین میں آگئی دورانہ پیشی کا مقصد لون۔ و انتی کہتے سنہ سخت دھوکا دیا۔ اپنے ہر بیرون کی طرف غور سے دیکھ کر کہنے لگے :- نہایت عجیب کی بات کہ ایک بومعاش بھوکوں دھوکا دیکھائے اور نہ تو لکسا اسطرخ غافل رہو۔

فوراً دو لہو تھیل مہرور کی تلاش میں روانہ ہو گئے مگر اسکی گردنک کو نہ پایا۔
کو تو ال صاحب دست ظفر حسین صاحب اسب اور جو چھ کہ اپنے قیامہ شامی سے خارج ہونگے ہیں بیان فرمائیے۔

ظفر حسین۔ میں نے جتنی بھی باتیں عرض کی ہیں جہاں تک میرا خیال ہے بالکل ٹھیک ہیں۔
مگر ابھی ایک خاص امر پر غور کرنا ہے انشاء اللہ بہت جلد میں خود حاضر ہو کر سب بیان
کر دوں گا۔ آپ ابھی صبح سے حیران ہو رہے ہیں۔ ایک سچ کیا ہے میں ابھی رات کو سفر کی
جگہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں علاوہ اسکے اب تو میں نے نہ ہٹاؤں۔ رادہ کر لیا ہے کہ
میرا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو دلاور سے مقابلہ کروں گا۔

کو تو ال صاحب نے بھی آئندہ ملنے کا وعدہ کیا اور کو تو الی رونا نہ ہو گئے نعتیں
ڈاکٹری معائنہ کے لیے روانہ کر دی گئیں۔

ناسور بدل دکھا تو دیا چارہ ساز کہ
اب رشک ہے کہ در تک اسکی نظری (غزیر)

باب

یہاں تو گھٹس کے نکلتا ہے دم وہ کہتے ہیں
کسی کا ضبط کبھی رانگان نہیں ہوتا (غزیر)

نور جہان

نور جہان۔ اے میرے پیارے باپ میں کیا جانتی تھی کہ غریب کا سین تھا راسخ
چھوٹے گا۔

ظفر حسین۔ بچہ کچھ ہونا تھا ہو گیا اب سوائے صبر کے چارہ ہی کیا؟
نور جہان۔ صبر۔ اے بھلا کوئی صبر بھی ہے والدہ کی جدائی کا جو زخم دل پر پڑا تھا وہی
میرے بیتاب کو فکے واسطے کیا کم تھا کہ یہ دو روزہ اشتعالی زخم پل در پل۔

جان میں کاش پہلے ہی نہوئے
نہ بن پڑتی ہے ہنستے اور نہ روتے (غزیر)

ظفر حسین۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ تم رنج اور فساد نہ کرو مگر صدمہ کی بھی ایک حد ہے
ہوتی ہے تنہا ہی حالت کیا ہو گی سہا خام جسم زرد ہو کر رہ گیا معلوم ہوتا ہے کہ اسکو است

ہمیں ایک قطرہ بھی خون کا نہیں۔۔۔ مگر تم ہی انصاف کرو کہ کسی دیر زخم پر زخم پڑیں اور اس سے
 جانے لڑ پڑ نہیں اُت نہ کرو تو کہ ان ہک زبیا ہے خدا معلوم ابا جان کا کون ایسا دشمن
 کہ جس نے مجھ کو تیری کا داغ دیا۔ اکتو تو سولے کتب ہیں کہ اور کوئی کام بھی نہ تھا۔ نہ کسی
 طوائفی تھی نہ جھگڑا میں کیا جانتی تھی کہ لکھنؤ کی زمین میری ایسی دشمن ہے کہ میرے پیارے
 کو مجھ سے جدا کر لیتی۔ لکھنؤ۔ ایسے منحوس لکھنؤ میں تو بچہ شوق سے تیری دھان ہوئی
 بھی گیا ایسا غربت نہ وہ دھان کی میزبانی اسی طرح کی جاتی ہے رو کر اب میں اپنے والد کو

کہان باؤں گی۔

ظفر حسین۔ چچا جان کی ہلاکت کا باعث بھی کتب بینی تھا جسکی وجہ سے تم تہیم ہو گئے
 وہ دلاور تھا۔

اور چچا جان۔ وہ نیکو بائیں دی والد زڈا کو حکے خنداگ واقعات سے لکھنؤ۔ بی
 اگر وہ۔ بلکہ ہندوستان کا بیہ ہجرت کر رہا ہے۔ اُت اسکو ابا جان سے کیا ایسی دشمنی
 تھی۔ اگر وہ پیہ کا لالچ ہوتا تو جان کیوں کی۔

ظفر حسین۔ تم ان واقعات سے آگاہ نہیں ہو مگر یقین جانو کہ ظفر شہام سے لگا اور
 نہایت سخت۔

اور چچا جان۔ نہیں نہیں ایسا قصہ نہ کرو وہ بہت ظالم ہے اور ظالم کے ساتھ ہی شاطر
 واکر ہے۔ اسکا اور تھا را کیا تھا بلکہ ہو سکتا ہے خدا نخواستہ اگر تھا بال بھی بیٹا ہوا تو
 غضب ہی ہو گا۔ دنیا میں اب میرا کون ہے۔ مگر ظہیر الدین ہیں وہ جان کے دشمن
 مجھے جسطرح بھی ہو سکیگا میں صبر کروں گی اگر کو تو میں اُت بھی نہ کر دیا مگر خدا کے
 واسطے تم اس ظالم سے برسر پیکار نہ ہو۔ لہذا اس خیال سے دگر نہ دو۔ جس دلاور نے
 ہمیں انی طاقت کو بھونکا کھیل خیال کر کے ہندوستان میں لچل بٹا لڑی ہے کس کام
 لیتے ہو بے لگ بید کی طرح کانپے ہیں۔ اسکا مقابلہ اور تم۔

دیکھو میں منہج سے کہتی ہوں۔ اگر تم کو اپنا خیال نہیں تو تجھ پر رحم کرو۔

کتے کتے خدا معلوم کیا خیال آیا کہ نظر چھٹ گئی اور کھیل سے رضا روں پو
 شو نظر ات شہم کی طرح نظر آنے لگے۔ اک آدگی اور چھٹکا ہوا سر شہم آہستہ چھٹا اور

حسرت پھری نظر ظفر کے چہرہ پر جم گئی۔

نور جان نے عمر کی چودہ منزلیں طے کر کے پندرہویں سال کے پہلے ہی ہمیشہ میں قدم رکھا تھا کہ چاندن میں آگیا۔ چہرہ زرد ہو کر رہ گیا۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن میں عشوہ عصمت نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا بیمار عکس کی طرح ہو گئیں یہ اسکے ہر عضو کی تعریف کرنا درست کرتا تھا۔ لکھا تھا کہ یوں کہتا جاوے کہ خلاقی عالم نے یہ قدرت سے یہ نقش بھینچ کر دنیا والا کر دیا دکھایا ہے کہ حیات میں حوریں اسی طرح کی ہوتی ہیں۔

اُن ترے مین جانسٹکی بڑ زور کشش
نور سب بھینچ لیا چشم تماشای کا (عزیز)

شہادت حسین صاحب نے یہ قصہ کہہ لیا تھا کہ مجھ دلوں کے بغیر ظفر حسین ہی کے ساتھ اسکی شادی کر دینا اگر ان بیچارہ کو کیا خبر تھی کہ موت کا دست نظم دراز ہو کر آگئی رہے تب تو کہے گا اور یہ اسید بھی پوری تہ ہوگی نور جان کو بھی معلوم ہو گیا تھا اسلئے وہ شرم کیل سے ظفر حسین سے بات بھی نہ کرتی تھی۔ مگر دلنے کے حادثات سے مجبور ہو کر ہماری ایسا کہنے لگا کہ کیا کہہ دیکھا کہ ظفر حسین نے دلا در سے مقابلہ کر لیا اور کہہ لیا تو سمجھانے لگی کہ ایسا نہ کرو و لا اور پھر اس انداز سے کہہ لیا کہ ظفر حسین کے بھی بالے خیال میں لغزش آگئی تھی۔ ایک دن دلوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھا کیے کہ ظفر حسین نے آخر کار قفل خاموشی یہ کھار ڈیا۔

ظفر حسین۔ یہ میرے خیال میں کہہ دے تو یہ کہہ دے۔ خدا کی پستے ایسا نہ کہو۔ تمہاری آنکھیں میاں دل کہہ رہا ہے میں تمہارے خیال کی تائید کرتا ہوں کہ دلا در تو خیر اس کے نام سے آواز دے رہا ہے مگر خاں اللہ تم کو نہ سمجھتا رہے۔ تیرے جوئے ناموسی گریا یہ مطلب نہیں کہ میں کہتا ہوں اور میں آسانی سے اس پر غصہ ہوں گا مگر دنیا کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر چیز اپنی ایک حالت میں نہیں رہتی یا ترقی یا تنزلی اور جب کوئی چیز ترقی کرتے کرتے درجہ کمال کے آخری درجہ پر پہنچے تو پھر اسکے بعد تہی تنزلی ہوتی ہے بلال بدر ہوا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اپنی اصلی حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ ہاں کہہ دو خزان کا دور آنا ضروری ہے غنیمت مسکرا رہا ہے اور شہتہ تری بھل رہا ہے کلچین آ رہا ہے اور شگفتہ بھولو کا تار تیار کر رہا ہے، آنکھیں بھولو لو ان حسین علیٰ نصیب ہوتی ہے جسکی موت تمنا میں سیکھوں بیچارے تڑپتے تڑپتے گوشہ قہر آباد کر

میں بزون کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ جہاں وہ خوشہ دم ہوئی نظروں سے گزرتی اور اس کے چھٹکے
پھول خشک ہو کر خاک ہو گئے اور وہی خاک پیروں سے روندی جاتے لی۔
آفتاب پستی سے نمودار ہو کر ترقی کر رہا ہے مگر اس کا عروج بھی صرف دو ہی پر رہتا ہے آخر
ان جھکتا ہے اور اس طرح جھکتا ہے کہ اس قابل بھی نہیں رہتا کہ کسی کو اپنا چہرہ بھی دکھاسکے
نظروں سے بھی غائب ہو جاتا ہے۔

شام اب تم میرا مطلب سمجھ گئی ہو گی۔ دلا دینے ترقی کی اور ضرور کی مگر اب اس کی ظلم کی
ہی اس قدر رواں ہو گئی ہے کہ وہ خود اس کے اندھنے کے لیے کافی ہے۔

رہا یہ خیال کہ وہ اور اس کا گروہ بہت قوی ہے۔ اس کا مقابلہ اسان نہیں ہے سچ ہے مگر
ساتھی اس کے گروہ سے کمزور آدمی اسباب فراہم ہونے پر بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ
سکتا ہے۔ علاوہ اسکے اگر اس کی طاقت زیادہ ہے مگر غیر فحشی خداوند عزوجل کی قدرت کے مقابلہ میں
قدر ہے کہ کتنے خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ خدا ہمارے ہی غور پر درک کرے گا۔

میں پھر کہتا ہوں کہ جب تک جسم میں قطرہ خون بھی باقی ہے میں مقابلہ کیے جاؤں گا
اسی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدا میری مدد کرے گا نتیجہ میں کامیابی کا سہرا میرے ہی سر
لگائے گا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہر قدم پر مشکل پڑی ہو گی۔ مصیبت میری راہ روکے گی

مشکل نیست کہ اسان نشود

مروا بد کہ ہر اسان نشود

نیکو امید ہے اور قوی امید ہے کہ تم میری ہمت افزائی کرو گی تم سمجھا رہا ہوں اور

اس تقریر نے نور جان پر وہ اثر کیا کہ خون میں جو خضابا اور وہی چہرہ جو زرد ہو رہا
پیر شہنشاہی اور گلاب کی طرح پھول سا چہرہ چمکے لگا۔ اور آہستہ سے کہہ لگے بغیر
کہ مگر خدا کی فطرت میں دیا۔

بلکہ حسین نے منہ اور دل میں سوچا کہ اب یہاں فتنہ ناٹھیک نہیں اگر نور جان
پھول گیا تو بڑی خبر لائی ہو گی اور یہ کہتا ہوں اب ہر حال گیتا فتنہ ہے کہ تم نے اجازت

ہاتھ بڑھنا تھا کہ رگ رگ میں ہوا دھنیا
پھر وہی مرحلہ چاکر گریبان نکلا (عزیز)

باب

ایسے قاتل سے کہو کیا کوئی اسید رکھے
دل کو جہنم میں ڈوبا ہوا بیکان سمجھا (عزیز)

ایک اور قتل

زرد کوٹھی کے قتل کا واقعہ کھنڈ بھرمین مشہور ہو گیا۔ اڈیٹر دن نے اخبار دن کے
کے لیے مختلف حائیں دینا شروع کیں۔

کوئی لکھتا ہے کہ یہ عجیب قتل کسی پرانے جھگڑے کا باعث ہے۔

کوئی الفاظ کے پردہ میں سوداگر صاحب کی لڑائی کے کرگڑے پر لکھتا ہے کہ
وجہ ظاہر کوئی ہے نہ حلقہ جتنے قلم اتنی تحریر میں۔ ہر اخبار میں پولیس سے استدعا کی گئی
وہ اپنی پوری کوشش اس مقدمہ میں صرف کر گئی۔

ظفر حسین کو مرن ایک کرسی پر غاموش بیٹھا ہوا ہے کہیں آنکھ کھولتا ہے
سے گو یا کسی گھر خیال میں ہے۔ کیا کیا حسین بخش کو آواز دی۔

ظفر حسین حسین بخش کو کی ہر چیز اٹھا ڈال کر چھکو دکھا کر علیحدہ رکھتے جا رہے
ایک ایک کتاب چھکو دکھا کر چھکو کی قید میں ہوئی، کتاب میں نکلیں جن کے ہر لٹا
کر دیکھنے کے بعد علیحدہ رکھ دی گئیں۔ اب جین کے برتن دیکھے جانے لگے۔ ایک

بچے قتل سے کھرا ہوا ایک تو بڑا بڑا۔ کو حسین بخش نے دیکھ کر مرن رکھ دیا۔
ظفر حسین کی دن کیا ہے مرن سے تمہا کوئی چیز بھی چھکو بیز دکھائے نہ ہو
حسین بخش۔ (مسکرا کر) میان تھوڑے۔

ظفر حسین۔ (بتائی سے) آگے بڑھ کر لا رہا ہے۔ حسین بخش کے ہاتھ سے
وہ اتنی تھوڑے۔

۲۰۰	۵۰	۴۰	۰
۲۰۰	۵۰	۲۰	۰
۴	۱۰	۰	۰
۱۲۹	۱۴۱	۶۲۵ - ۲۲۵	۳
۲۰۳ - ۶۳۴	۳	۲	۲۲۷

مگر خدا معلوم اس میں کونسا نقش بنا تھا کہ اب جو نظریں حسین تو نہ ہٹتا تھیں نہ حسین حسین بخش لاکھ لاکھ دریا نہت کرتا ہے میان کیا ہے اگر چڑی بچا کا تعویذ ہے تو جھکو ضرور دے بچے میری چھوٹی لڑکی کو بچا کرتے ہوئے وہ عینہ سات دن ہوسے دوائی کرتے کرتے پریشان ہو گیا مگر بچا یہ چھپا نہیں چھوڑتا۔

ظفر کو خبر بھی نہیں کہ وہ کیا کیا رہا ہے۔ گویا فصائیں پھیلی ہوئی ہو اس آدھار کا لون میں پوچھتا ہی نہیں۔

جب حسین بخش نے کئی مرتبہ کہا تو صرف اس سے یہ کہہ دیا کہ تم کمرے کے باہر چلے جاؤ۔

حسین بخش فوراً کمرے سے دل میں کہتا ہوا نکلا افسوس ظفر میان کے دماغ پر سودا کر دیا کہ قتل کا بڑا اثر چڑا بھلا تعویذ میں کونسی ایسی چیز بنی ہے کہ دیکھنے کے قابل ہو۔ اور ظفر سطح کہ میں نے کئی مرتبہ بچا را مگر جواب تک نہ دیا۔ کچھ سوچ کر ان یا د آیا۔ اسی تعویذ نے سودا کر دیا تھا بھی دماغ خراب کیا تھا وہ تو گویا بالکل مٹری ہو گئے تھے۔ پنسل سے نقش بناتے اور جب بالنگ سے اٹھتے تو دیا سلائی سے جلا کر خاک کر ڈالتے بلکہ خاک کو بھی پاؤں سے مل ڈالتے۔

یاضا یہ کیا بات ہے کہ وہ میں جھانک سکے اے بچے وہ ابھی تک اسی گود کھد رہے ہیں۔ خدا خیر کرے اب ہم دو گرن کا آپ و دانہ اس گھر سے اٹھ گیا۔ وہ تو خیر جوئی میں نے غور سے تعویذ نہ دیکھا وہ نہ میری بھی یہی حالت ہو جاتی میں تو کہیں کا بھی نہ رہتا۔ انہیں نہیا لگا کے سلسلہ میں مجھو تھا کہ ظفر حسین نے آواز دی۔

ظفر حسین بخش بہان آؤ میرے سے سادہ کاغذ اور پسل اٹھا دو۔
 حسین بخش (دل میں) بالکل ٹھیک یہ بھی اسی خط میں مبتلا ہوئے۔ پورا پورا تعجب
 ہے پسل کا غلط حسین کو دیا مگر منہ پھیر کر۔
 اس عجیب حرکت کو دیکھ کر ظفر حسین نے بوجھا۔
 ظفر حسین۔ یہ تم نے منہ پھیر کر پسل اور کاغذ کیوں دیا۔
 حسین بخش۔ بیان بہت غریب آدمی ہوں۔
 ظفر حسین۔ پھر غریبی اور اس حرکت سے کیا مطلب۔
 حسین بخش۔ جی کچھ بھی نہیں۔
 ظفر حسین۔ کچھ باگل ہو گئے ہو داغ تو نہیں پلٹ گیا۔
 حسین بخش۔ جی حضور یہ داغ بلکہ۔۔۔ (خاموش)
 ظفر حسین۔ جلد کہو بلکہ یہ داغ پلٹ گیا کیوں یہی مطلب ہے نہ؟
 حسین بخش۔ میں ڈرتا ہوں۔
 ظفر حسین۔ عجب احمق آدمی ہو۔ خبردار جلد بتاؤ۔ میرا قیمتی وقت خراب
 نہ کرو۔
 حسین بخش۔ بیان خدا کے لیے یہ چیز جو آپ کے ہاتھ میں ہے بڑی نراب ہے اس کو
 بھاڑ ڈالے پھر ڈر معلوم ہوتا ہے۔
 ظفر حسین۔ یقیناً تم کو کوئی دوسرا ٹھکانا ہے جہاں کاغذ سے ڈرنے کی کیا وجہ کیا شہر ہے
 پھر پڑیا ہے۔ سانپ ہے۔ گھجور ہے۔ آخر تم کو کیا دکھائی دیتا ہے۔
 حسین بخش۔ بلکہ ان سب چیزوں سے بھی خوفناک۔
 ظفر حسین۔ اچھا میری طرف سے دیکھو اس میں سوائے ہند سون کے اور کیا بنا ہے۔
 حسین بخش۔ رہو دنوں باجھوئی سے آنکھیں بند کر کے، پھر مجھے ترس کھائے میں ہر جا
 دیکھ کر کوئی دوسری دیکھ لائی نہیں۔
 ظفر حسین۔ روڈ انٹ کر اگر تم صاف صاف نہ بتاؤ گے تو ابھی پولیس کے حوالہ کرتا ہوں
 یا پاگل خانہ بھیجتا ہوں۔
 حسین بخش۔ حضور یہ ہے جو اس قائم نہیں آپ اس پرچہ کو پلٹ کر رکھ دیکھیں گے میں

سبب کچھ بیان کر دوں گا۔

ظفر حسین - (تعوذ کر رکھ کر) اچھا اب بیان کرو میں نے تعوذ پلٹ کر رکھ دیا۔
 حسین بخش نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ واقعی میں پرچہ کا لٹخ پٹا ہوا تھا
 جان میں جان آئی جو اس قلم ہوئے۔ الٹی سیدھی سانس درست ہوئی جسم کا لرزہ کم ہوا
 کانپتے ہوئے پیروں میں قوت آئی۔ کہنے لگا۔

حسین بخش - میان بات یہ ہے کہ سوداگر صاحب کے ساتھ بھی اس تعوذ نے ایسا ہی اثر کیا تھا
 جیسا کہ آپ کے ساتھ یکدم کچھ اس سے بھی بڑھا ہوا۔ اس مرتبہ جب وقت سے کھنڈوا لے تھے
 ہی تعوذ لگا ہون کے سامنے رہتا۔

یہ انھیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے شاید رکھ کر بھول گئے ورنہ دو ایک اس طرح کے اور
 بنائے تھے مگر انکو جاکر ڈال دینے میں نے خیال کیا کہ آپ پر بھی دہی اثر ہوا جو سوداگر صاحب
 پر تھا اگر میں غور سے دیکھوں گا تو میں بھی آپ ہی کی طرح ہو جاؤں گا۔

اس خبر نے ظفر حسین کے دل میں اس درجہ خوشی پیدا کی کہ دل سے ہوتی ہوئی ہونٹوں
 پر تبسم بکھر نمودار ہوئی فوراً جب سے دور دیئے گا لکر حسین بخش کو دیے اس نے سلام کر کے
 لے لیے کہنا تجربدار کسی سے ذکر نہ کرنا حسین بخش کمرے سے باہر آیا دل میں کہتا ہوا۔ یہ عجیب
 پاگل پن نہیں تو اوسکی بھلائی میں نے کونسا ایسا خزانہ بنا یا جسے انعام میں دور دیئے دیدیے اور
 لطف دیکھتے فرماتے ہیں کسی سے کہنا نہیں اگر کسی سے کہوں گا تو وہ بھی سڑی سمجھیں گا۔

وہ تو کیسے خدا نے بڑی خیر کی۔ میں نے اُستادی کی کہ بھر نقش کو غور سے نہ دیکھا عجیب
 طرح کا تعوذ ہے اگر میرے پاس ہوتا تو سیکڑوں کو پاگل بنا دیتا۔ مگر لطف تو جب تھا
 کہ اُس کا ایسا رکھی ہوتا اور میرے اپنے خیال میں مست اور ظفر حسین نقش دیکھنے میں محو
 کبھی پہلی سطر غور سے دیکھی اور یہ خیال کر کے کہ تیسرا ہندسہ بالکل مٹ گیا ہے کچھ پتہ
 نہ چلے گا دوسری سطر کو دیکھا اور بطور قیاسی الفاظ الٹ پلٹ کر بنا لے تو۔ زنجیر۔ زنجیر۔ زنجیر
 سرفورنگ۔ دل۔ زنجیر۔ کرم۔ الفاظ بنے۔ جن سے کچھ مطلب حل نہوا۔

چہرہ پر داسی چھا گئی۔ مایوسی کا پوڑ بکھر گیا۔
 تیسری لائن میں دوسرا ہندسہ مٹا ہوئی وجہ سے کچھ نہ بنا۔
 ابابری جو بھی سطر اسکا کوئی ہندسہ بکڑا نہ تھا۔ پورا خیال اسکی طرف متوجہ ہو گیا۔ غور کرنے

۴۹ سے یہ الفاظ بن سکے ہیں۔ مطلق۔ حرق۔ ظلم۔ از۔ صابون۔ طلسمی۔ سعیدہ
اسی طرح دوسرے خانہ میں ایک اور ایک ایک بلکہ دو ہونے اور ۲ (ب) کے
ہونے ہیں دوسرے کوئی لفظ بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے سوال۔ خرف (ب) اور کچھ
ہونیں سکتا ہے۔ خانہ میں ۶۲۵ نفی ۶۲۵ اگر ۶۲۵ میں سے ۶۲۵ نکالیں
تو ۲۰۰ بچتے ہیں۔

اگر دوسرے مفروضات لیا جائے تو راسخ۔

اگر دوسرے مرکب الفاظ بنائے جائیں تو عقل - نفع - اعلیٰ بارہ - حلیم الطبع
مکمل شکل - قسم - وغیرہ بنے۔
ابراہیم کا خانہ - میں ہوتے ہیں (رج) کے۔

اور تین سے مرکب الفاظ ہوئے۔ اب۔ آب۔ باب۔ با۔ بابا۔ اور تین سے مرکب الفاظ ہوئے۔ اب۔ آب۔ باب۔ با۔ بابا۔

اب ہر لفظ کو دوسرے تیسرے اور چوتھے قانون کے الفاظ سے ملا کر ٹھنڈا شروع کیا کہ کوئی بامعنی عبارت نہ بنی جس سے مطلب حاصل ہو تا وہ داغ پریشان ہو گیا۔ جسم پسینہ پسینہ ہو گیا اگر کوئی نتیجہ نہ نکلا پریشان ہو کر اٹھنے ہی کو تھا کہ پہلے خانہ کے لفظ طلسمی، دوسرے خانے کے حرف (ب) اور تیسرے خانہ کے حرف (ر) اور چوتھے خانہ کے حرف (ج) اسے ملا کر طلسمی راج بنا۔

معاذ اللہ اس دو لفظی جملے نے وہ اثر کیا گو یا جسم میں بجلی دوڑی اور کرنٹ کے اثر سے ایک پیرا۔ نور اُٹھ کر ہو گیا۔ اسپرکلی طبیعت نہ بھری تو کرسے میں ٹھکانا شروع کیا۔ خوشی ہے کہ نہ بھڑکتی جاتی ہے وہ بھلا اس کرسے کی حد کا کمان محمد و حق کی کرسے کے باہر آکر کوٹھی کے چبوترے پر ٹھکانا شروع کیا حسین بخش نے جو یہ حالت دیکھی تو وہ سمجھا کاب تعویذ نے پورا اثر کیا کہیں ایسا نہ ہو میان کچھ مارنے لگیں۔ نور اب اُپر چل گیا۔ ادھر ظفر حسین نے چند منٹ پہلے کے بعد آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا کہ بیشک یہ خیال صاحب کچھ۔ چچا جان کی سوت کا باعث یہی "طلسی بُرج" ہے وہ ضرور اس رات واقعہ ہو گئے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو دل اور جان کا دشمن نہ ہو جاتا۔ لوگوں کو خیال ہو گیا

کہ طلسمی برج ایک فرضی نام ہے نہ کوئی خزانہ ہے نہ ضایان آودھ کو اس سے کوئی تعلق ہے
خوشی میں عجیب حالت تھی کہ مسرت کا برعکس پہلو نظر آیا اور پھر اس طرح کہنے لگا۔

”مگر مجھ کو اس قسم کی نالائکہ حاصل ہوا۔ دو مہندسہ سے ہوئے ہیں۔ سوائے اس کے کہ
مجھے طلسمی برج کے نام سے واقفیت ہوگئی اور کیا ہوا نقش کو نکال کر لیجئے بنے ہوئے اعداد
سے کوئی نہ کوئی مطلب ضرور نکلیں گا اس وقت تو داغ کام نہ دیکھا کچھ سوچو چنگا جس کتاب سے
یہ نقش چچا جان نے نقل کیا ہے وہی دلا دیا جاتا تھا اور اس کے بل کی کو تو ال صاحب نے
ورق ضائع کر دیے بیشک وہ اسی کتاب کے تھے، اب کچھ نہیں ہو سکتا یہ معلوم ہوا کہ
طلسمی برج ہے کہاں اور نہ اس کا راستہ دریافت ہو اور کچھ سوچ کر نیچے سے ہوتا تھا
اور ہندسوں سے راستہ کا پتہ چل سکتا ہے اس خیال نے ترقی کی اور داغ کی گندہ گاہوں
میں نقش نے راستہ پیدا کرنا شروع کیا، لاکھ لاکھ کوشش کی مگر فضول و رعب کوئی مطلب
کی بات نہ بنی تو ایک خیال نے رہبری کی کہ چایان مفلوج تھے ایک پیر سید صاحب کو تھا کہ
پیدل جانا دشوار تھا۔ زیادہ دور نہ جاسکتے تھے، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر اس مرتبہ وہ آئے
تو کہاں کہاں گئے کچھ سوچ کر حسین بخش کو آواز دی وہ بجا رہے ڈرتے ڈرتے کا پتا ہوا
سانے حاضر ہوا۔

ظفر حسین۔ تم جانتے ہو کہ چچا جان کس تانگے پر آیا جاکرتے تھے۔

حسین بخش۔ ہاں حضور یہاں سے تھوڑی دور ایک خوب شدید تانگہ والا رہتا ہے سوداگر
صاحب جہاں بھی جاتے اسی کے تانگہ پر۔

ظفر حسین یہ سنکر خوش ہو گیا۔ حکم دیا کہ بانی حمام میں رکھو۔ میں نہاؤں گا اور انار
شیرین سے کوئلہ چائے بنائے۔ ظفر حسین نے برقعہ کوٹ کی حبیب میں تھامتا ہوا اٹھیا
رکھا۔ حمام کرنے کے بعد جاوپی حسین بخش کو ہمراہ لیکر سیدھا تانگہ والے کے یہاں پہنچا۔
سن اتفاق سے وہ بھی موجود تھا۔

ظفر حسین۔ (تانگہ والے سے) سوداگر صاحب کو جانتے ہو۔

حاکم والا۔ (آہستہ ہو کر) ہاں حضور بڑے اچھے آدمی تھے خدا انہیں جنت نصیب کرے
نہیں معلوم کہ ان ایسا دشمن تھا جسے انکو قتل کیا۔ مجھ کو ان سے بڑی آمد تھی خدا بخیرے سخی
آدمی تھے مجھ کو ایک مرتبہ کپڑے بھی دیے تھے۔

ظفر حسین - کیا عرض کروں ابھی ایک ٹانگہ والے سے کچھ دریا نصت کرنے گیا وہ کچھ بتانے بھی نہ پایا تھا کہ آسمانی کوئی کائنات نہ بن گیا۔

کو تو ال صاحب - یعنی قتل ہو گیا۔

ظفر حسین - جی ہاں۔

کو تو ال صاحب - آپ کے سامنے مارا گیا قاتل کون ہے۔

ظفر حسین - افسوس کہ وہ غور نہیں دکھائی دیا۔

کو تو ال صاحب - مجھ کو گیارہ سال پچیس کی نوکری کرتے گذرے۔ سینکڑوں دن واقعات قتل ہوئے۔ مگر یہ معاملہ کچھ ایسا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اپنے جیسے کا دعویٰ کیا تھا کہ میں قتل کے اسرار سے واقف ہوں۔ اور ہمت کچھ جانتا ہوں۔ مہربانی فرما کر بتائیے۔

ظفر حسین - بے شک میں واقف ہوں اور بتانے کو بھی تیار ہوں مگر پہلے کمرہ کا دروازہ بند کر لیجئے۔

کو تو ال صاحب - جناب یہ کو تو ال ہی یہاں پر زندہ پر نہیں مار سکتا آپ کچھ خوف نہ کریں بالکل اطمینان رکھیے۔

ظفر حسین - میں ایک لفظ بھی نہ بناؤں گا دیر میں گزشتہ وارد۔

کو تو ال صاحب - دروازہ بند کر کے لیجئے اب اطمینان ہوا۔

ظفر حسین - اب اس کیسے۔ جو شرط اس کے راقم سے تو آپ واقف ہی ہو گئے آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ قتل درپیم کے لالچ میں نہیں ہوا۔ خط کے الفاظ چیز مطلوبہ مجھ کو دید و نہ قتل کیے جاؤ گے۔ بلکہ دلاؤ اس چیز کے معاوضہ میں خود ایک کثیر رقم دیئے کہ موجود ہے اب رہا یہ سوال کہ وہ چیز مطلوبہ کیا ہو سکتی ہے۔ کتاب اس کے پچھلے ہرے چندا و راق اس قدر فقروں کی تھے کہ ایک عیاری سے لے گئے اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ چیز مطلوبہ سوائے اس کتاب کے جسکے وہ چند شکستہ ورق بھی دلاؤ گے ہم لوگوں کے پاس رہنما پسند نہ کیے اور کوئی دوسری چیز نہیں۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کونسی ایسی کتاب ہے جسکے لیے اتنی کوشش کی گئی ہیں۔ نام سے تو واقف نہیں مگر ان انا ضرور جانتا ہوں ہوں کہ اس میں طلسمی بُج کا سارا تحریر تھا۔

کو تو ال صاحب۔ بھلی ماہ۔ آخر وہ دھوکا کھایا۔ ایک فرضی چیز جس کا نام و نشان بھی نہیں۔ خدا معلوم کتنے آدمیوں نے اسکی تلاش کی۔

واقعی اگر اس نام کا کوئی خزانہ کھنڈ کی زمین پر ہوتا۔ تو یہ ننگانے والے ایک نہ چھوڑتے سیکڑوں آدمیوں کو یہ خط ہوا اس عارفہ میں مبتلا ہوئے مگر آخر کار اس خط نے ان کا اسی وقت بچھا چھوڑا جب ملک الموت نے رہائی دی میں آپکے اس خیال کو بالکل دھل تھو کر تباہ ہوں۔

ظفر حسین۔ جس کا ابھی کچھ اور لکھ دینا ہے۔

کو تو ال صاحب۔ جی نہیں جو کچھ مجھ کو کتنا تعارض کر چکا۔

ظفر حسین۔ ایک جو کچھ میں نے اپنا خیال ظاہر کیا بغیر کسی محکم دلیل کے نہیں بیان کیا سہرا بت کا ثبوت پیش کرتا گیا۔

کو تو ال صاحب۔ ان میں جانتا ہوں گریہ کوئی بات نہیں کہ جو کچھ بھی آپ کہہ رہے وہ درست ہی ہو عقل کے خلاف کسی بات کا یقین کر لینا انسانی فطرت سے دور ہے۔

ظفر حسین۔ جہاں کو تو ال صاحب اب غور سے سنئے آپ کے طے آنے کے بعد کہ ہر چیز کا مقابلہ کیا محنت ٹھکانے لگی۔ اور خزانہ طلسمی برج کی کئی مل گئی۔

کو تو ال صاحب۔ پھر کیا ہے بادشاہت کیئے ہو نہ بھولے گا۔

ظفر حسین۔ پہلے میری بوسہ بات تو سن لیتے آپ تو نعلوں کا سلسلہ توڑ دیتے ہیں۔

ان تو طلسمی برج کی کئی مل گئی یعنی ایک پرچہ ملا جسکی پہلی سطر کے تیسرے خانہ کا اور تیسرے سطر کے چوتھے خانہ کا ہندسہ بگڑا ہوا تھا، مگر جو بھلی لائن ٹھیک بھلی اسکو میں نے حل کیا

نہایت پریشانی کے بعد کامیابی ہوئی اور طلسمی برج کے معلوم ہوا پھر حسین بخش سے معلوم ہوا کہ چچا جان ہی کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھلی اس راز سے واقف ہو گئے تھے۔

کو تو ال صاحب۔ (حیرت و تعجب) واقعی اگر ایسا ہے تو کامیابی کا علاج۔ اور فتح مندی کا سہرا آپ ہی کے سر ہوگا۔ ہر رانی ذرا کہ مجھ کو بھی وہ نقش دکھائیے کہ اپنی آنکھیں سیکھ لیں

ظفر حسین۔ ابھی پیش کرتا ہوں پورا واقعہ سن لیجئے۔ ان تو میں بھی جا کر دیکھ لیا اس غرض سے کیا کہ چچا جان ۵۰ نمبر کو یا اسکے بعد کہاں کہاں گئے۔ اس سے کہہ کہ اس

مقام کا پتہ چل سکتا تھا کہ طلسمی برج کس جگہ ہے مگر افسوس وہ اس قدر فضول کو تھا کہ اس نے میرا وقت بھی برباد کیا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا بچار وہ مقام بتانے ہی کو تھا کہ سورت کے فرشتہ نے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔

کو تو ال صاحب - میری آنکھیں بڑھتی جاتی ہے اب وہ نقش دکھائیے۔

ظفر حسین کا ہاتھ جیب میں کیا۔ پرچہ نکالا۔ دکھایا تو دکھائیے۔

”مستر ظفر تمہاری ماما سبقت تک حرام ہے چاندی کے پانچ چکے ہوئے سکڑنے کے اسکی آنکھیں چونہ دیا دین جس پرچہ کو تم غلطی سے خزانے کی کئی جگہ ہوئے تھے چھپ چکے تھے کیا جوت تم حرام کر رہے تھے اسی وقت یہ کارروائی ہوئی ماما کی حلاش بیکار ہے اسوقت وہ ایسی جگہ دکھانا پکار رہی ہے کہ تمہارا خیال بھی نہیں پورے ہو سکتا خدا کی پناہ اس فرشتہ نے اڑتے ہوئے کلورڈ فارم کا اتر کیا سر چکر لایا آنکھیں بند ہو گئیں غشی طاری ہوئی۔ ہاتھ کا نسا۔ کاغذ گر پڑا۔

کو تو ال صاحب نے کاغذ اٹھا کر پڑھا تو انکو بھی تعجب اور حیرت نے گھر ڈھکے حسین کی سی تو حالت نہ ہوئی مگر وہ طوری دیر بخت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھنے نہ چھوڑے ظفر حسین نے کوٹ اور قمیض کے بٹن کھولے۔ ہوا آنے کے لیے کھڑکی کھولی منہ پر پانی کا چھپٹا ڈالا تو ظفر حسین نے آنکھ کھولی اور کہنے لگا۔

ظفر حسین - ابھی تک دشمن زک پر زک دے رہا ہے جو ارادہ کیا وہ فضول ہوا ہر حرف جہ زبان سے نکلتا ہے اسکی اطلاع ہو جاتی ہے میں تو یہاں تک کہ اسے کو تیار ہوں کہ وہ دلی تھاں کا بھی نگران ہے اور ان سے بھی آگاہ ہو جاتا ہے۔

کو تو ال صاحب (جس میں) میں آنکھیں دلاتا ہوں کہ دلا دے انتقام نہایت مختص لیا جاوے گا۔ میں اس خیال کی تائید کرتا ہوں کہ وہ نقش ضروری اور نہایت اہم عقائد کے خدائے مالک ہے میں اپنی پوری قوت اس مقدسہ میں صرف کر دوں گا اس مرتبہ دلاؤں گا کہ موت پورے کے ہاتھ سے ہے اور دنیا بہت جلد دیکھ گئی کہ وہی دلاؤں جسکی طاقت اندازہ سے باہر ہے کس طرح چہرہ سیا کی سورت مارا گیا۔

ظفر حسین - ہاں آپ ٹھیک فرماتے ہیں مگر اس کا منور خیال رہے کہ اس کے وہ کا ہر آدمی نہایت چالاک اور خفاط ہے جو کام کیا جاوے نہایت ہوشیاری سے میرا مطلب

خدا نخواستہ یہ نہیں ہے کہ آپ کا ایسا ہوشیار پولیس انسرو دھوکا کھا جاوے گا مگر پھر بھی احتیاط لازم ہے۔

کو تو ال صاحب۔ مشفق آپ کی نصیحت کی ضرورت نہیں پولیس کی نوکری کرتے ہوئے کیا رہا سال گذرے اس مدت میں جھکو تھوڑا بہت تجربہ بھی حاصل ہو گیا ہے یہ چند معمولی عیاریاں جو مدعا شون کے لیکن ان سے آپ یہ نتیجہ ہرگز نہ نکالیں کہ میں کچھ نہیں کر سکتا اصل واقعہ یہ ہے کہ بھی حکامین نے کوئی کارروائی نہیں شروع کی میں آپ کی دہانت کا قائل ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ ہی کی مدد سے آہم ترین مشطین آسان ہوں گی۔ ہاں ایک بات خوب یاد آئی آپ نے کہا تھا کہ سوداگر صاحب کے قاتل کے قاتل کا چہ نگنا ناچا ہے۔ اس سے کیا مطلب میں نے بہت غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا یہ واقعہ ہے یا وہ نہیں اپنے کہہ دیا۔

ظفر حسین۔ میں نے آپ سے کوئی ایسی بات کہی جو جھوٹ بھلی۔ اس بات سے کوئی متنبہ کو مدعا میں مل سکتی۔ ایسی ضروری بات نہیں مگر جو کہ ایسا واقعہ تھا میں نے عرض کر دیا تھا میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک رپورٹ تیار کر کے اخبار کا جیسب میں شائع کرادوں جس سے پیگل کو اس قتل سے بددیوبہ کی واقفیت ہو جاوے رپورٹ بہت کچھ لکھ چکا ہوں صرف دو ایک باتیں اور تحریر کر رہے ہوں انشاء اللہ اس رپورٹ سے قتل کے واقعہ پر پوری پوری روشنی پڑے گی۔

کو تو ال صاحب۔ مہربانی فرما کر جھکو بھی سنا ہے۔

ظفر حسین۔ رپورٹ ابھی مکمل نہیں پورا کرادوں تو سناؤں۔

کو تو ال صاحب۔ خیر جو آپ تحریر فرما چکے ہیں وہ ہی سنا ہے جو کچھ کہہ جاوے وہ زبانی بیان کر دیکھے گا۔

ظفر حسین نے رپورٹ سنانے کو نکالی کہ ٹیلیفون میں گھٹی ہوئی۔

کو تو ال صاحب۔ دم بھر توقف کیجئے میں سن لوں کہ کیا معاملہ ہے۔

کو تو ال انیس احمد اسٹے۔ سنا اور ظفر حسین سے کہنے لگے "سپرٹنڈنٹ صاحب نے جھکو طلب کیا ہے۔ کچھ ضروری باتیں دریافت کرنا ہیں میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں آپ باقی رپورٹ بھی میں بیٹھے بیٹھے تیار کر لیجئے۔ آپ ہی کا کہنا ہو گیا کہ رپورٹ بددیوبہ کی ہو جائے

تو زیادہ لطیف آئے گا۔
 اچھا میں جانا ہوں۔ یہ لکھ کر تو اسی کے چھانک ایک آئے رکھا کہ ایک تانگہ خالی نظر ہے
 فوراً پھٹ کر روانہ ہو گئے۔

ظفر حسین نے پھٹ کر اطمینان سے رپورٹ مکمل کی مگر کو تو ال صاحب نہ پلٹنا تھے نہ پلٹے
 جب بہت دیر ہو گئی تو گھر کر آٹھا اور ملین کہا خدا خیر کرے کہ اسے میں ایک سیل ہی آیا اور
 ظفر حسین کو ایک لفافہ دیا۔

ظفر حسین۔ یہ کیسا۔

کاسٹمبل۔ ایک آدمی آکر دے گیا کہ آج دو یہ دن۔

ظفر حسین۔ وہ آدمی ہے۔

کاسٹمبل۔ جی نہیں وہ دیکر کہیں باغ کی طرف چلا گیا۔

ظفر حسین نے لفافہ کھولا خط کا لایا ہفت منوں حسب ذیل تھا۔

ظفر حسین جوانی کے جوش میں مجھے مقابلہ پر تیار نہ ہوا اور دپے دپے ناکا تھے ہونے
 کے تم اپنے خیال پر چبے ہوئے ہو۔ تم نے برا کیا کہ کو تو ال انیس احمد سے بہت کچھ بیان کر دیا
 گو میرا نقصان کچھ نہ ہوا۔ مگر میں نہ چاہتا تھا کہ تم بدیس کو کچھ بھی بتانے ابھی تک میں نے لکھو
 اس خیال سے کوئی جہانی تکلیف نہیں دی کہ ممکن ہے تم اپنے خیال سے اناؤ مگر تم ایک
 ضدی آدمی معلوم ہوتے ہو میں تم کو مطلع کرنا ہوں کہ تم خاموش ہو کر بیٹھو۔ ورنہ بہت جلد
 تمہیں بھی اپنے جچاکی بہم غوشی نصیب ہوگی۔ میں لکھ رہا ہوں کہ مجھے برسرِ پیکانہ ہوا اور
 جو رپورٹ تم نے ابھی تیار کی ہے اسکو جاک کر ڈالو۔ کو تو ال انیس احمد صاحب کا راستہ مت
 دیکھو۔ تمکا پارسل خیریت سے چھو تکا ہو چکا گیا۔ اس وقت قہر خانہ میں نہایت جوش دکھا رہے
 ہیں چھکڑا کی بیانیہ پیشی معلوم ہوتی ہے۔ امید ہے کہ تم میرا کنا مانو گے اور دلا دلی سرج
 اور صدمہ ہو چکا اگر اسکی شبیہ سے مقابلہ نہ کر گئے فقط۔

خط پڑھنے کے بعد ظفر حسین کو انیس احمد صاحب کے غائب ہونیکا افسوس ہوا اور بہت
 دیر تک خاموش شخص بٹھا رہا۔ دلاور کی دھمکی سے خیالات میں تبدیلی کیسی رات بے روشن بھی نہ
 پڑی۔ پیرا سنگھ سبھا انیس لکھ کر ڈال کر دیا قہر خانہ سے اطلاع دی۔ کو تو ال صاحب کی جچی ہوئی گلی
 کو تو ال میں ہوا ایک کے واسطے رہے۔ ظفر حسین اٹھا اور پھر روانہ ہو گیا۔

گفتش دل را نشانم ده کجا کم کردی
گفت آری جانے در زلف پر نشانم گرفت (عزیز)

باب ۵

خندہ احسن تنگ کی صدا آتی ہے۔
دل کے ناسور سے جوتھ ہوا آتی ہے

ملاقات

صبح کے پانچ بجے ہیں ظفر حسین سو کر اٹھا ناز سے فراغت کی بات نہ دھو کر چلا پی۔
رہا کہ حسین بخش نے آواز دی تھی ان کوئی صاحب آپ سے ملے آئے ہیں! ہر آواز کو کھا
انہماز عجیب کے اوطاف صادق احمد بیٹھے ہیں۔
صادق احمد۔ میں بموجب ارشاد حاضر ہوں۔
ظفر حسین۔ بڑی زحمت ہوئی۔

صادق احمد۔ جناب تکلیف کس بات کی اس میں تو میری ہی منفعت ہے ان پیشانی
آپ کو زحمت افزہ ہوئی میں اس لیے استغفر سر سے حاضر ہوا ہوں کہ آج ہی پانچ بجے
تک رپورٹ چھپ جائے۔ پہلک اصل واقعات سننے کے لیے نہایت بے جیسی سے منتظر
کر رہی ہے۔

ظفر حسین۔ (رپورٹ دیکر) آپ ملاحظہ کر لیجئے جہاں نہ چلے دریافت کر لیجئے۔

صادق احمد رپورٹ پڑھتے جاتے تھے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں تھے پوری بات
پڑھ کر ظفر حسین کی ذہانت اور ذکاوت کی تعریف کرنے کے بعد شکریہ ادا کیا اور سہانگی
بیٹھ کر چلے گئے۔

ظفر حسین مکان میں داخل ہوا کپڑے پہن کر سیدھا کوٹوالی پہنچا۔ انیس احمد
صاحب کا ایک پتہ نہ چلا۔ سب انکسٹر ہیئر اسٹیل سے بڑی دیو کا نغور ہی قریب
کوٹوالی سے ابھرا دیکھا ایسا آدمی بہت غور سے دیکھتا ہوا نکل گیا۔ ظفر حسین کو شبہ ہو گیا

وہ وکٹوریہ بارک سے ہوتا ہوا انارہ اصغی میں داخل ہوا اور اندازہ ہو کر کوئی کے نام سے مشہور ہے اسکی عمارت میں غائب ہو گیا چہ چہ چھان مارا مگر اس کا نشانہ ملک نہ پایا کھجور ہو کر واپس ہو نیکا ارادہ کیا دیکھا ایک صحیحی میں دو کرسیاں بھی ہوئی ہیں۔ ٹھکانہ دور کرنے کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ سامنے سے ایک آدمی۔ بلند قد۔ کھلتا ہوا رنگ۔ بڑی بڑی موچکھین خٹک کوٹ زیب تن یاؤن میں سیاہ وارنش کا پمپ چوڑی دار کھٹنہ پہنے داخل ہوا وہ دیکھا کرسی کھسٹ کر بیٹھا اور کہنے لگا، مغز جہان میں اس تکلیف دہی کی معافی چاہوں میں نے ہی تم کو اپنے آدمی کے ذریعہ سے اس طریقہ پر بلوایا تھا میں نے خیال کیا کہ تم آدمی کا بیچھا لڑکے کا دیسا ہی ہوا۔ مگر بلا نیوالا کوئی غیر معلوم شخص نہیں۔ وہی دلا رہے تھے کہ کپڑے تم بار بار حملہ کر رہے ہو۔ یہ پہلی ملاقات ہے میں خوش ہوں کہ تمھارے چہرہ پر کسی قسم کے خوف کے آثار نہیں۔

ظفر حسین۔ میں نہیں خیال کرتا کہ ڈرنے کی کیا وجہ آخر تم بھی آدمی ہو محض تم میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ تم مالک زندگی بسر کرتے ہو۔ ظالم ہو۔ ڈاکو ہو۔ خونی ہو۔ خلقت کے لیے بلیک اور کالے سے زیادہ مالک مالک سے زیادہ تکلیف دہ۔ میں مخلوق کو اس آزار سے بچا نیوالا۔ پھر تم سے ڈرنیکی کیا وجہ۔ یہ منکر دلا در کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں خون کی طرح لال ہو گئیں اور اس طرح کہنے لگا۔

ایا اور۔ بس اس میں تم ایسے چھوکرے کی زبان سے ایسے جس انعام اپنی شان میں سنا پسند نہیں کرتا تم ابھی ہرگز نہیں واقف کہ میں کون ہوں۔ میری طاقت کس پیمانہ پر ہے۔ میرے غصہ کی پھر کتنی ہوئی آگ کا ایک آدمی شعلہ نما کر خفا کر سکتا ہے میں تمھارا خفا کس طرح کر سکتا تھا جس طرح تاکہ واسے گا مگر کیا کروں خدا معلوم کوئی قوت ایسا کرنے سے روکتی ہے لیکن تم میرے اس کہنے سے مسکرائے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تم مجھ کا دلا در میں کھیل آئی کی طرح خاموش رہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تمھاری عقل تیز ہے۔ تم اپنی عمر سے زیادہ ذہین ہو۔ مگر یاد رکھو میں دلا در ہوں میرے نام سے شجاعت ٹپکتی ہے میرے نام سے ہا دہی آتش کا رہے۔ میرے نام ہی سے دلیری ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ اسے لوہے کے کچے سمجھ میں آیا۔

ظفر حسین۔ اچھی طرح سمجھا کر رہے ہیں زیادہ جو وہ اکثر کہہ رہے ہیں۔ خوب اپنے منہ میان ٹھو بنے خیر اگر تم یہ کہتے ہو کہ میں بہادر ہوں تو یہ بھی یاد رکھو میں بھی ظفر ہوں۔ فتح میرے ہی ہاتھ ہے۔

نظرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید نکسا نظر فی مشہور راہ حسین
(غالب)

شاہد تم اس بات پر نازان ہو کر چند عیار یوں سے مجھ کو دھوکا دیا یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ
میں اپنے خیال سے ہٹ جاؤں (اور پھر نہایت بے پرواہی سے سگریٹ نکال کر پیئے لگتا ہے)
دلاور جوش میں آکر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ کے ہینڈ کو گردش دیتے ہوئے ٹھٹھکے لگتا ہے۔ اس وقت
اس کے چہرے پر خوشخواری ٹپک رہی تھی خانی کریم کو اپنی طرف کھینچا غصہ سے دونوں
دھڑکن کو بکڑ کر چھکا اور کہنے لگا۔

دلاور۔ میں پھر کہتا ہوں ہوشیار ہو کر سنو۔ اپنی جوشیلی طبیعت کے زعم میں آکر میرا مقابلہ نہ کرو۔
درجہ پستول نکال کر دیکھو موت تمھارے سامنے ہے۔ اسکی ایک آواز سے تم ہمیشہ کے لیے خاموش
ہو جاؤ گے۔ کہ اب میرا کہنا منے کے لیے تیار ہو یا سبکی چکے اور تمھاری بخش اس انداز میں غوطہ
کھاتی ہوئی دکھائی دے۔ بولو جلد جواب دو۔

ظفر حسین کے دل میں غصہ پیدا ہوا پستول کا منہ اپنی طرف دیکھ کر کھینچا لیکن پھر سنبھلا
کہنے لگا۔

ظفر حسین۔ کیوں تم اپنے کو ہار دے کھتے تھے۔ شجاعت کے ہی معنی ہیں۔ میں خیال کر رہا تھا کہ
واقعی تم بچے آدمی ہو گے اس لینڈ حرکت سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ تم نہایت بروئے آدمی ہو
ہو تم کو اپنی اسی قوت پر ناز تھا۔ یہ کیا کہ سامنے پستول لیکر کھڑے ہو گئے اور وہ بھی فٹول فٹول
میری ہمت میں کمی پیدا کرنے کی غرض سے۔ جھلاتم میں کیا قدرتا ہے بلکہ تم ایسے ہزار دن میں کہ
میرا بال بھی بیگا کر سکیں۔ میرے ساتھ خدا کی مدد اور تمھارے ساتھ شیطان کی گروہ کی طاقت اور
پھر جھلاتم دونوں تو توڑ کر کیا مقابلہ پس میں میرا وقت مت ضائع کرو۔ جس کام کے لیے
بلایا ہے وہ کرو۔

دلاور۔ پستول جیب میں رکھ کر انچیرا سرفہرہ جھوٹا ہون اور وقت دینا ہوں کہ ہر
سنو میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے کہ کیا تم نے رپورٹ اپنے بیٹے جیسا گودی دی۔

ظفر حسین۔ ان دیے۔
دلاور۔ تو کیا آج پہلک میں میری حقیقت اور راز کھلیا ہے گا۔
ظفر حسین۔ پہلک ایسا ہی ہو گا۔

دلاور۔ اچھا میں یہ بھی برداشت کر سکتا ہوں کہ پولیس اور پبلک دونوں میری حقیقت سے
 آگاہ ہو جائیں میں جانتا ہوں کہ پولیس میرا کچھ نہیں کر سکتی مگر تم سے قدرے اندیشہ ہے اسلئے
 میں اسے کرتا ہوں کہ تم خاموش ہو کر بیٹھو۔ روپیہ مجھے لوارا ہے ابالی پیشہ تجارت کو ترقی
 دو۔ تجارت نہایت اچھی چیز ہے۔ تم ذہین ہو۔ چالاک ہو۔ عقلمند ہو بہت جلد ترقی کرو گے
 کیا فائدہ ایک خود بخوار شیر کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی عزیز جان خطرہ میں ڈالو؟ وائس احمد
 کو تو اس سے کہو کہ آپ جا لیں اور آپ کا کام دیکھو یہ پارک کے انگریزی قبرستان میں ایک قبر
 سے ہم غوث ملین گئے وہ بیہوش ہیں ہلاک نہ ہوں گے عرق لہو کے تین قطرے بیہوشی نسخ
 ردیں گے۔ تمھاری آسانی کے لیے بیہوشی دہن لے گا کیون اب راضی ہو۔ خراباش تم نہایت
 جھلڑا آدمی ہو۔

نفر حسین۔ میرا دل اپنی فتنوں کا بکاس سے کیوں پریشان کرتے ہو میں نے تمہیں کہہ لیا ہے
 مگر تم کس کساست و دیکھا آج نہیں توکل۔ ایک دن ضرور آئیگا کہ تمھاری عیاریوں کا نتیجہ
 بچکا اور دنیا تم کو جا بجا معمولی اُچکا سمجھے گی۔
 لہو۔ (دغہ سے) سطر م ہو کہ تم فدی ہو تو کیا تم میرا کسانہ مانو گے۔

حسین۔ ہرگز نہیں۔

وکر۔ تم کو انا بچہ بچکا۔

حسین۔ کیونکر۔

وکر۔ اس طرح سے کہ جن نور جان کو تم جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہو اس کے غائب ہونے
 پر آخر میں موت۔۔۔۔۔

پورا جملہ بھی نہ منہم ہوا تھا کہ ظفر کا جبر و تنہیر ہوا آنکھوں میں آنسو ٹوہر با آئے۔ بدحواس
 ہلکا۔

میں۔ خدا کے لیے ایسا نہ کرنا وہ بہت نازک ہے اس کا دل اس قابل نہیں کہ ایک
 بیت کا بھی برداشت کر سکے۔ وہ ظلم پر ظلم اٹھا چکی۔ اس کی حالت قابل رحم ہے تم ابھی کہہ
 ہیں ہمارے ہوں ایک عورت پر ظلم کرنا کمان تک روا ہو سکتا ہے مگر نہیں یہ لفظ تمھاری
 بہن کیسی طرح لہجہ نہیں کر سکتے اچھا اب میں جانا چاہتا ہوں۔
 لہو۔ دیکھو وہ سامنے کون آ رہا ہے۔

ظفر حسین نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک بہشت سالہ لڑکی اچھرمیں بیٹھائی کا وزا یہ مسکراتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ چہرہ اس قدر رکھو نا ہے کہ دیکھنے والے کو بیاہ معلوم ہو۔
"دیکھو ظفر حسین یہ میرے ایک چیلے کی تیسری شہینہ ہے اس نے کتنا اچھا پارٹ کیا۔ ہاں شہینہ دیکھو میرے ظفر کو سلام کہ وادہ جو کچھ تم نے اپنا ایکٹ انجام دیا اسکو الفاظ کا جامہ پہنا کر ظفر حسین کو کہنا دو۔"

لو کی سنہ نہایت ادب سے جھجکا کر سلام کیا دُونہ سے ایک سٹھائی کی ڈلی بیکر مٹھ کر

شمیمہ میں روتی ہوئی مکان میں گئی اُن بیوی نے جھگڑو دیا کھینک پوچھا بیٹا تم کون
اور کیوں روتی ہو میں روئے گئی اور کچھ نہ بتا یا جب بہت پوچھا تو میں نے کہا مجھے
میرے ساتھ تھے ایک کٹی ہوئی لنگتیا کے پیچھے دوڑنے خدا معلوم کہاں غائب ہوئے ٹری دیکھ
راستہ دیکھا مگر لپٹ کر نہ آئے یہ ابکر میں نے پھر وہاں شروع کیا بیجاری ٹری وہ دم لہن کھڑے
ہو گئیں اور کہا "میں ابھی تمھارے بھیا کو دھو ڈھولے دینی ہوں" باہر آکر بھیا کو
سے کہہ دے (بھلا سا نام دیکھیے) ان یاد آ یا حسین بخش) جا کر تلاش کرے۔ وہ تو دوسری
ادھر ان بیجاری نے اپنے ہاتھ سے میرا منہ دھوا یا اسے جھپکا کر دیکھیے (الوں میں لنگی
بنا رہے مٹھائی بھی منگوا دی اور ایک ڈلی اور رُخھ میں رکھ کر) ترس میں پچھپ ہوئی
ٹری ٹری میں گئی وہاں چلا کر آ دیکھیے بلکہ یہ کہتا ہے وہ دیکھتے آئین میں نے وہ شیش جا
دی تھی ہاتھ میں لیکر کھنگین ٹری خوشنما شیشی ہے۔ کہاں سے پائی میں نے کہا باہر کر
اُٹھا لائی اُنھوں نے کاک نکال کر سو گھا کھتے کھین ٹری تیر خوشبو ہے، خایہ بیو ٹو رہے
جہاں سے اُٹھا کر لائی ہو وہیں رکھ آؤ پھر ایک مرتبہ سو گھا اور کہا خدا معلوم کیا یہ میرا
نگاہ پروردہ ہٹا کر اندر جانا جا کر سر پر کڑھ لگائیں بیٹھتا کہ ہے ہوش میں نہیں رہتی دکھاؤ
یہ سبائی ما مر جان آئے۔ "ننگرا اٹھا کر باہر لائے دروازہ پر موڑ پڑھا تھا مجھ پر جلدی
اور یہاں اس کے کہیں ملے گئے میں آپ کے پاس چلی آئی۔

نظر حسین خاموشی سے مستعار آنکھوں سے برابر اشک جاری تھا۔ میں نے نہ کہا کہ اٹھا کر اندر مین پھینک دیتا ہوں وہ دلاور کھڑا ہوا لڑکی کی نظرت پر نہیں آیا۔
نظر حسین سے جب ضبط نہ ہو سکا تو کہہ لگا کہ اسے کبھی لڑکی تو ایک ناگس ہے۔

تیرے بھوٹے چہرے میں خدا معلوم کس قدر دغا بازی کی جھلک ہے یہ عمار اور یہ چالاکی۔ مگر اسے
منحوس لڑکی یاد رکھ کہ حجاب کھاد اسکی ہنر بہت جلد دینگا۔

لڑکی نے گریہ سنا ہی نہیں، مٹھائی کھانے کے بعد خالی دونا انارہ میں پھینک رکھے گی۔

جی ہاں خوب یاد آیا میں نے اُنکے ہاتھ سے یہ انگوٹھی بھی اُتاری تھی دلاور نے انگوٹھی لڑکی
کے ہاتھ سے لیکر ظفر حسین کے سامنے پھینک دی اور کہا کہ تو اس انگوٹھی کو پہن لو اس فوجیہاں
کی یاد ہر وقت تازہ رہے گی کہ اب کیا ارادہ ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اپنے خیال سے
بار آؤ تو گھنٹہ بہ گھنٹہ کھولی ہوئی دولت تم کو مل جائے گی۔

ظفر حسین نے اسے بدعاش میرے سامنے سے دور ہو کر تیرے جی میں آئے کر دیکھ سوچ کر
مگر ایک عورت پر ظلم کرنے سے کیا فائدہ میں تجھے اتنا کرتا ہوں کہ میری نور جہاں پیاری
نور جہاں کو کہیں امت دینا۔

دلاور نے اچھا تم کو وقت دیا جاتا ہے اطمینان سے سوچو اگر تم اپنے خیال سے باز نہ آئے تو
دہی کر دینگا کہ چکا بہن میں اس کا نام چاہتا ہوں۔ ظفر حسین نے سجدہ کیا کرنے سے میرے
نفس کو تھوڑی کھلیت ہوئی مگر انسوؤں کے سولے اسکے کوئی چارہ ہی نہیں میں ابھی طرح جانتا
ہوں کہ اگر تم اپنے خیال سے باز نہ آؤ تو میں اس طریقہ سے یہ کہہ کر نہڑ چکی کھولی اور ایک سفید
سفوف ظفر کی انگ پر پھینکا جس سے چھینک آئی اور نور بے ہوش ہو گیا۔ آکھ کھلی تو
اپنے کو امام بارگاہ صوفی کی سب سے گھاس پر پایا۔

اٹھا بیماروں کی طرح آہستہ آہستہ ٹھٹھاتا ہوا کہیں باغ میں جہاں دلاور نے انیسواں
لوزال کا بتہ دیا تھا ہنسنا دیکھا واقعی انگریزی قبرستان میں بڑے ہوئے ہیں اور قریب
ہی ایک سیو بھی رکھا ہے تو ذکر حلق میں عرق بچو ٹرا تو ہوش آیا اور کہنے لگا۔

لو تو ال صاحب۔ آپ کہاں۔

ظفر حسین۔ جہاں آپ وہاں ہیں۔

و تو ال صاحب۔ اجاروں طرف دیکھ کر اور میں کہاں ہو۔

ظفر حسین۔ کہ تو ان کے قریب کہیں باغ کے انگریزی قبرستان میں۔

و تو ال صاحب۔ ہوا شنوں نے بڑا سہرا اٹھا ہے۔ وہو کہ سے ٹیلیفون دیا ناگہی

اپنا ہی بھیجا مین سوار ہو کر چلا تھوڑی دور پر آیک مرثر لے لے تاکہ واسے سے دریافت کیا حضرت گنج چلو گے۔

تاکہ واسے نے مجھ سے اجازت چاہی مین نے خیال کیا کہ کیا ہرج ہے غریب کا نفع ہو جائیگا پھر منزل کے قریب پہونچ کر ان صاحب کے پانوں کی ڈیبا کھولی خود کھایا جھک دیا مین نے پہلے تو انکا کر کیا مگر پھر بے حد سراسر کی وجہ سے کھالیا کھانا تھا کہ سر چکریا کچھ کھا ہی چاہتا تھا کہ غشی طاری ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو تار یک تہ خانہ مین تھا دلاور کا سامنا ہوا غضب کا فطرتی آدمی ہے جھکو بہت کچھ دھمکا پاڈا کہ اب عمر بھر اسی خانہ مین تیرا سرگے جب مین نے بھی جواب سخت دیا تو منشا ہوا چلا گیا۔ کھانا نہایت بڑھکھٹ بھیجا مگر پھر کسے تھی دوسرے ڈر معلوم ہوتا تھا کہ خدا معلوم نہ ہر ملا دیا ہو مگر بھی خیال کیا ہرج با د ا دو ایک نولے کھا کر لانی بیا رات بھر سو جا کیا کہ آخر مین کس مقام پر ہوں مگر کچھ نہ معلوم ہوسکا صبح ہوتے آنکھ کھلی ہر معاش نے شاہ رسوئے ہی مین جھکوئے ہوش کیا آنکھ کھلی تو آپ کو دیکھا اب یہ بتائیے کہ کیا آہ کس طرح ہوا۔

ظفر حسین۔ اب کو تو ای چلیے وہاں ہو چکے تمام واقعہ عرض کرونگا۔
دونوں آدمی اٹھے اور کو تو ای روانہ ہو گئے۔

ظاہر مین ایک سادہ ورق ایویہ دل مگر
نقش طلسم راز ہے اک کار ساز کا (عزیز)

باب

گرہ دکھلی ایک ناخن رنگین خون ہو کر
ہمین یہ طرز عمل عقدہ مشکل پسند آیا (عزیز)

رپورٹ

قریباً بچے انبار نمیبٹا اور اس کثرت سے بکا کہ جس شخص کے ہاتھ مین رکھیے ایک پرچہ ہے کو تو ای مین اس وقت انیس احمد صاحب کو تو ال بیٹھے ہوئے مین گرہ دکھا گیا

اور اخبار پڑھا جا رہا ہے۔

(زرد کوٹھی کے قتل کا انکشاف)

جناب اڈیٹ صاحب! سید!

۹ نومبر ۱۹۶۱ء بروز پچھنبہ کو جنرل آدمی زرد کوٹھی واقع محلہ سادات گنج لکھنؤ میں قتل ہوئے ہیں اس کے متعلق لوگ عجیب و غریب رائے پیش کرتے ہیں بلکہ نہایت بے چینی سے اصل واقعات سننے کی خواہش کرتے ہیں مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ سیری رپورٹ کو پڑھ کر واقعات کی اصلیت قتل کا سبب قاتل کا نام اور اس کی کارروائیوں میں اچھی طرح سمجھ میں آ جائیگی۔

شجاعت حسین صاحب سوداگر دہلی کے باشندے تھے اور خاص طور سے فلاح پورن کی تجارت کرتے تھے۔ مگر ۱۹۶۰ء میں آگ لگی دوکان چھل گئی اور قریب تیس ہزار روپیہ کا نقصان ہوا یہ نقصان ایسا تھا کہ آدمی بغیر کسی ہمدردی کے ہر داشت کر سکے۔ چنانچہ سوداگر صاحب بیمار پڑے اور ایسے بیمار پڑے کہ زندگی سے ناامید ہو گئے مگر خداوند عالم نے بروہر صحت کیا۔ حالت بدل گئی ابھی پورے طور سے اچھے نہ ہو سکے تھے کہ فالج گر آیا جان توڑ گئی مگر چلنے پھرنے سے محروم ہو گئے جب افاقیہ ہوائی سوداگر صاحب نے بجائے اسکے کہ اپنی پرانی تجارت (فلاح پورن) کی شروع کرتے۔ سبھی چینی کے برتن۔ پرانی قلمی لکھنا ویرا ور کتابیں خریدنا شروع کیں۔

جب کافی ذخیرہ ہو گیا تو دوکان کھول دی۔ آدمی نہایت عقلمند تھے۔ اصول تجارت سے واقف۔ کافی تجربہ کار۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنا نقصان پورا کر لیا اور اس قدر ترقی کی کہ ہندوستان کا بلکہ غیر ممالک میں بھی مشہور ہو گئے۔ سوداگر صاحب جب اکھنڈ ہوتے تو مسلم نصر پور میں مقیم ہوتے مگر مارچ ۱۹۶۱ء میں ہی زرد کوٹھی میں قتل واقع ہوئے ایک صاحب صاحب حسین نامی سے، ہزار روپیہ کی خریدی عمارت نہایت سخاوتدار اور کشادہ ہے مگر بہت جگہ سے بوسیدہ ہے۔ سوداگر صاحب نے بہت کچھ مرمت کرائی ہے پرانی کتابوں کا ذخیرہ کافی ہو جانے کی وجہ سے سوداگر صاحب میں ایک خاص بات یہ پیدا ہو گئی تھی کہ دن بھر کتابیں دیکھا کرتے بلکہ شب کا ایک پڑا حصہ بھی اسی مشغول میں صرف ہوتا۔ میں نے کیا چاہتا ہوں کہ یہ وہ شوق تھا جس کی وجہ سے سوداگر صاحب کو دایہ چل کی

ہم کنارے نصیب ہوں یعنی ایک کتاب ایسی دستیاب ہوئی جس میں طلسمی برج (خشار) اور دھوکے خزانہ کا راز درج تھا یہ کوئی معمولی بات نہ تھی وہی طلسمی برج جس کے نام سے کھنڈہ ہر فرد بشر واقف ہے۔

بڑے بڑے لوگوں نے اسکے دریافت کرنے کی کوششیں کیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا اور عاجز ہو کر تصور کر لیا کہ اس نام کی کوئی چیز نہیں قصہ کہانیوں کی طرح یہ بھی ایک مہمل بات ہے مگر جب سوداگر صاحب کو اس خزانہ کا حال معلوم ہوا تو وہ رولوبسٹ (۱۹۱۸ء) دہلی کو بھیج کر دیکھ کر کھانا سفر اختیار کیا اس کے قبل جب سوداگر صاحب آئے تو تھا آتے ہی کہ اس مرتبہ ایک عظیم ارادہ سے آئے تھے تو میری اپنی صاحبزادی نور جہان اور تمام متعلقین کے لئے طلسمی برج تلاش کرنے لگے۔

اب میں ایک نئی بات اور تحریر کرنا چاہتا ہوں کہ کھنڈہ کا ہجہ ہجہ دلاور کے نام سے تو ہے وہی دلاور ڈاکو جس کے گرفتار کرنے کے لیے پولیس نے پوری کوشش کی تھی مگر وہ دلاور کوئی معمولی ایچکا پوچر نہیں۔ وہ ایک عقلمند ذہین شاطر، ذکی و مہادیسی ناظرین آپ تعجب نہ کریں کہ دلاور کو کسی طرح سے طلسمی برج کا راز معلوم ہو گیا۔ اور آخر وہ اس پر قابض بھی ہو گیا۔ پولیس کو دھوکا دینے کی اس نے ایک نہایت عمدہ چال چلی یعنی ۱۹۵۰ء میں ایک لاش گوستی سے برآمد ہوئی اور دلاور نے اپنے چیلرن کے ذریعہ یہ مشہور کر دیا کہ یہ لعش دلاور کی ہے۔ یہ اس کے بانیں ہتھوڑا کھیل تھا جیسا کہ وہ مسو کا کامیاب بھی ہوا آخر کار پولیس وزیر تمام پبلک سٹے دھوکا کھا کر یقین کر لیا کہ جو دلاور ان کوششوں سے کبھی گرفتار نہ ہوا یہ اسی کی لعش ہے اب دھوکا دینے سے مراد تصور کر کے اس نے اس کے خیال کو دل سے محو کر دیا اور وہ بڑے بڑے ڈاکے نیز ایسے واقعات جن سے عقل ہوتی ہے نہایت اطمینان سے انجام دینے لگا۔

اب میں پھر اپنے بڑے خیال کی طرف رجوع ہوتا ہوں یعنی شجاعت حسین جب تک اور طلسمی برج کی تلاش کی تو یہ بات دلاور کو معلوم ہو گئی۔ اس نے سوداگر صاحب سے سمجھا یا کہ وہ کتاب جس میں راز تحریر ہے جگہ ویر و کھلا سوداگر صاحب کب ہو سکتا ہے۔ تاہم جرات مند ہر شخص جانتا ہے کہ ان فوسس کے کہ اگر وہ کسی دوسرے سے بھی تو بہت ممکن تھا کہ کامیاب ہوتے مگر خزانہ اور وہ بھی کیسا کہ شاہین اور دھوکا کھلا

تذکرہ دوسروں سے کیا کرتے۔ غرض کہ دلاور نے ایک خط سوداگر صاحب کو لکھا کہ چند روز میں
درکار رہے مجھے لو اور چیز مطلوبہ یعنی وہ کتاب جس میں کہ طلسمی سرچ کا بارز تحریر ہے مجھ کو
دیدہ۔ ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو رکھو۔ اور رات کو کی جگہ بجائے نام کے ایک جگہ میرا خط لکھا
اس سے اس کا یہ مطالب تھا کہ اگر خط کسی دوسرے کے لئے تو وہ میرے نام سے واقف نہ ہو سکا تھا
اس کے اس نے خط اس طرح تحریر کیا کہ ہر سطر کے شروع حروف میں اپنے نام کے حروف تحریر
کیے پورے خط کی سطروں سے اس کا نام دلاور صاحب پڑھا جاتا تھا۔

سوداگر صاحب نے اپنی حفاظت کا معمولی انتظام یہ کیا کہ گھر اور حسینی دو دو نوکر اُن کے
ہمراہ تھے رات کو جاگ کرین۔ اُن دونوں آدمیوں نے اپنے پاس ایک ایک ڈنڈا لیے آخری
حصہ میں لو لنگا ہوا تھا رکھا جس شب کو دلاور اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ درو کوٹھی میں
آیا تو شب کے دو بجے تھے کھلا اور حسینی غالباً اُسی وقت سوئے تھے۔ سوداگر صاحب اُسی
کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ (پانکس کی چادر پر ایک تسلیں کا بھی نہ ہوا صاف
ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت تک سوداگر صاحب مطالعہ ہی کر رہے تھے اور پانکس پر قدم
بھی نہ رکھا تھا کہ دلاور آگیا۔ اس نے کتاب مانگی مگر سوداگر صاحب نے انکار کیا۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ سوداگر صاحب لہا بیتا جید ارا اور مضبوط تھے ربا و جو دیکھ دلاور سے اپنے
ہمراہوں کے اُن کے سامنے سوچو دھکا لگا اٹھوں نے کتاب دینے سے انکار ہی کیا، باتوں کی
آواز سے حسین بخش ملا دم سوداگر صاحب کی آنکھ کھلی وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ بد معاشوں نے
کافی انتظام کر دیا۔

سوداگر صاحب سچے سچے لکھنے والے تھے حسینی و کلو کی آنکھ کھلی وہ دونوں مع اپنے
ڈنڈوں کے سوداگر صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے اتنے عرصہ میں دلاور نے کتاب چھپین
لینے کا قصد کیا اور سوداگر صاحب نے نہ دینے کی کوشش کی جسکی وجہ سے چند دردی لگایا
کے بھٹ گئے اور بد معاش اس جگہ سے ہٹ کر ایک گوشہ میں کھڑے ہو گئے جیب کھلا اور
حسینی کو دین داخل ہوئے تذکرہ میں بالکل اندھیا تھا۔ یہ دونوں آدمی بچا کیسا بیدار ہوئے
دہر دھڑکے تھے سوداگر صاحب بد معاشوں کی طرف سے بھیٹ کرنا چاہتے تھے حسینی اور کلو
کو غلط سے سوداگر صاحب پر جو رسکا شبہ ہوا۔ (میں کہہ چکا ہوں کہ کمرے میں بالکل اندھیا تھا)
دونوں آدمیوں نے دھوکا کھاکر سوداگر صاحب پر اپنے ڈنڈوں سے حملہ کیا اور دھما دھما

دونوں لکڑیاں سوداگر صاحب کے سر پر پڑیں نہایت کاری پڑیں جس سے سوداگر صاحب
 بغیر ایک لفظ بھی کہے ہلاک ہوئے۔ اس ان لوگوں کو اپنی غلطی محسوس ہوئی اس واقعہ پر
 زیادہ سے زیادہ صرف دوسرے صفت ہوئے۔ دلاوریہ چاہتا تھا کہ میں وہ بچے ہوئے
 اوراق بھی لیتا جاؤں اس لیے وہ کمرے کے ایک گوشہ میں اطمینان سے کھڑا تھا۔ کمرہ نہایت
 وسیع ہے اس نے خیال کیا کہ جب کلو اور حسینی کو اپنی غلطی محسوس ہوگی تو وہ ہم لوگوں کی جست
 میں باہر دوڑ کر جائیں گے اور میں ان اوراق کو لیکر چلا جاؤں گا، یہ خیال اس کا غلط تھا
 ان دونوں کی نظر پر معاشوں پر پڑی اور یہ لوگ ان کی طرف دوڑے۔ دلاوریہ چاہتا
 کہ جہاں تک ہو سکے کام خاموشی سے ہوتا چاہیے مگر جب دیکھا کہ کوئی چارہ نہیں تو اس
 نے کیا اور گوی حسینی کے سینے کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ کوئی کی آواز حسینی اور سوداگر صاحب
 کی موت ان سب کے منہ پر آ کر کیا کہ وہ بھی گر پڑا۔ گرتے ہی دکن حرکت بند ہو گئی اور ہلاک
 ہو گیا۔ اسی لیے یہ وقت تفتیش میں نے کووال صاحب سے کہا تھا کہ ہم کو سوداگر صاحب
 قاتل کے قاتل کا پتہ لگا چاہیے کیونکہ سوداگر صاحب کے قاتل بے قصہ ہیں۔
 کوئی کی آواز سے محلہ دانے چونکے ہوئے۔ ہلاوریہ اس لیے دلاوریہ دیر تک کمرہ
 میں نہ ٹھہر سکا اور چند ورق بچے ہوئے کتاب کے جکڑوہ لینا چاہتا تھا اٹھا کر چلے پیر
 چلا گیا مگر پھر بھی کچھ ورق رہ گئے۔ کیونکہ کمرے میں سخت اندھیرا تھا۔ اب بد معاش
 بھاگے تو کلو اور حسینی کے ڈنڈے بھی لیتے گئے۔ محلہ والوں کے اندیشہ سے بد معاشوں کا
 وہ ہوائی فیہ کیے اور بے شک ان کا یہ آخر ہوا کہ پھر کسی کی ہمت نہ پڑی جو زبردستی کھینچ
 قدم پڑھائے۔

ابھی کہ جب کووال صاحب تفتیش کو آئے تو میں بھی تھوڑی دیر کے بعد دلی سے آیا ہوا
 سوداگر صاحب کے کمرہ کا معاملہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ بد معاش روپیہ کے لالچ سے نہانے لگا
 کیونکہ کہیں میں کافی روپیہ موجود تھا اور دلاور کے خط سے بھی معلوم ہوتا تھا۔ دلاور نے
 لکھا تھا کہ میری چیزیں مطلوبہ جکڑوہ پر ڈیرا خیال ہوا کہ تمہاری کوئی کتاب وہ چاہتا ہے اور
 سوداگر صاحب اپنے سے منکر ہیں۔ بیشک میرا خیال ٹھیک تھا کیونکہ وہ خط اور اوراق کا
 ملنے کے بعد دلاور نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ ایک پرچہ بھی اس کتاب کا کسی کے پاس رہے میں
 بھی ان اوراق کی عبارت نہ پڑھ سکا چاہتا تھا نہ اطمینان سے پڑھوں گا دلاور نے اپنے

خیال میں نہایت چالاکی سے وہ ورق غائب کر لئے مگر میں یہ کشف کو تیار ہوں کہ وہ عقلمندی سی پھر بھی آدمی ہے۔ اُس نے بڑی غلطی کی۔ کیونکہ اگر وہ اون اوراق کو اس طرح غائب نہ کر لیتا تو ممکن تھا کہ جو میں نے چند تاج اُخذ کیے تھے اُن سے خیال ہسٹ جاتا۔

کو تو ال صاحب کی تفتیش کے بعد میں نے کرسے کی ہر چیز پر پھر غور کرنا شروع کیا تو ایک نقش ملا جسکے ہند سے پنسل سے لکھے ہوئے تھے اور وہ ہند سے بھی مٹ گئے تھے۔ یہ نقش سوداگر صاحب نے اصل کتاب سے نقش کیا تھا۔ دیکھنے میں بالکل تعویذ معلوم ہوتا تھا میں نے سمجھنے کی ہسٹ کو شمش کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا سو اُسے اسکا کہ سخت محنت کے بعد صرف طلسمی بچ پڑھ سکا ممکن تھا کہ پھر غور کرنے سے میں کچھ سمجھتا مگر یہ معاش نے میری ماما کے ذریعہ سے وہ بھی غائب کر لیا۔ میں تاں نگہ والیکے پاس اس نذرین سے لیا تھا کہ اُس سے معلوم ہو جائے سوداگر صاحب تاں نگہ پر کہاں کہاں گئے تھے اس سے کم اُنکے چکڑو طلسمی بچ کی سمت اور جگہ معلوم ہو جاتی مگر دلاور نے عین اوس وقت جب وہ بتانا چاہتا تھا کوئی سے اسکو ہلاک کیا۔

میں کو تو ال صاحب کے پاس گیا اور واقعات بیان کرنے لگا یہی رپورٹ جو ہر یے ناظرین سے سنا نا چاہتا تھا کہ دلاور نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی طرف سے ٹیلیفون دیکر کو تو ال صاحب کو بلا لیا اور ایک جگہ قید کر دیا کہ میں کو تو ال صاحب کو رپورٹ نہ سنا سکوں اور پولیس کو اصل واقعات کی اطلاع نہ ہو۔ محکوم بھی دھکی دیکر کو شمش کی گئی کہ واقعات پر پردہ پڑا رہے چنانچہ جس روز مندرجہ بالا رپورٹ میں نے تیار کر کے ڈیپٹی صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی دلاور نے ایک چالاکی سے امام باڑہ آصفی کی بولی میں بلا کر ہر طرح سے دھمکایا میرا استقلال دیکر ہٹکارنے سوداگر صاحب کی لڑکی نور جان (جو میری چچا زاد بہن ہے) کو غائب کر لیا کہ شاید اب میں اپنے خیال سے باز آؤں۔ مگر جب میں اپنے ارادہ پر قائم رہا۔ تو کو تو ال صاحب کو بھی راکر دیا۔

جب میں دلاور سے ملکر آیا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک رپورٹ نہیں چھپی اور دلاور نے دھوکا دیکر مطیع سے منگائی تھی دوران گفتگو میں دلاور نے مجھے یہ نہ بتایا تھا کہ رپورٹ بھی منگائی ہے وہ جانتا تھا کہ اس اسکا نقصان ہے۔ میں نے فوراً پھر رپورٹ لکھی جو ہر یے ناظرین ہے۔

اب میں یہ کہہ کر رخصت ہوتا ہوں کہ آپ حضرات میری کامیابی کے لیے دعا فرمائیے

نظر آجاتا تھا ہے جہاں جب بند کی آنکھیں
 دھڑکے قاب سے پلور میں ہنسنے کا جام جم پایا
 (راش)
 راقم
 غیر خواہ بہانہ ظفر حسین

باب

ہوتی عالم کے مرقم میں نہ کیوں پھی
 تم کو ہر سیکر تصویر میں بہناں سمجھا
 (غزیز)

تعلیق

رپرٹ ماسبق شایع ہو چکے بعد لکھنؤ کی پبلک مین ایک عجیب و غریب پیدائش ہو گیا
 کوئی کہتا کہ دلا درکنے سے شاعر کا مقابلہ ہے خط ہی ہے جو ظفر کو کامیابی ہو۔ کسی کی رائے ہوتی
 کہ جس شخص نے اتنا پتا لگا لیا اُسکے نزدیک کیا مشکل ہے کہ وہ دلا در کو گھر نظر کرے۔ پولیس
 کی طاقت اور ظفر حسین کی ذہانت دونوں کی مدد سے یقینی فتح ہوگی تو ظفر نے ظفر حسین کی مدد
 شہر شخص کرنا جس طرف سے ہرگز گذرنا لوگوں کی اگلی اگلی تھی۔ انہی راستہ میں مختلف مضامین
 نکلتے جن میں ظفر حسین کی ہمت افزائی کی جاتی خود سیرٹنڈ صاحب نے ہلا کر ذہانت کی
 تقریب کی اور ایک رفیق رکھنے کا لیسن دستیاب ہوا۔ لکھنؤ کے ہر فرد بخیر کو اس مقدمہ سے
 ایک خاص دلچسپی ہو گئی۔ جہاں کچھ ادیبوں کا مجمع ہوا وہاں طلسمی شیخ کی بابت گفتگو ہو رہی
 ہے ظفر حسین کی کامیابی کی دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔ ظفر عورتوں تک میں بھی یہی فکر گفتگو
 ہوتی گویا قصداً لکھنؤ میں یہ ذکر اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ ہوا کی سنسٹا ہٹ میں بھی یہی رول
 گایا جاتا ہے کہ نوجوان بچے ہیں ظفر حسین ایک آرام کر سی پر لیٹا ہوا سوچ رہا ہے اُس ظالم نے
 خدا سلیم نور جہاں کر کہاں رکھا اور کس حالت میں ہے وہ بیجا رہی تو خود زانے کا کلیڈ
 وہ حادثات کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اوسپر یہ اور ستم ہوا۔ واقعی اُس کا سمجھنا ہوتا تھا کہ
 دلا در کا مقابلہ آسان بات نہیں وہ کہہ چکا ہے کہ اگر تین اپنے خیال سے باز نہ آؤ گناہ کو

وہ نور جہان کو مار ڈاٹے گا مگر نہیں یعنی اسکی فطرت ایسی کہی نہیں وہ ضرور ایک بہادر آدمی
 ہے گو لوگ اسکو ایک سڈا کو سے نام سے یاد کرتے ہیں اور واقعی ہے بھلی ایسا ہی مگر وہ معمولی چور
 اچکون میں سے نہیں اگر وہ چاہتا تو میرا ہی خاتمہ کر دیتا کو تو ال انیس احمد صاحب ہی کو ملاک
 کر ڈالتا نور جہان کو وہ ہرگز جانتا کہ نہ کر سکا ایک عورت کو مار ڈالنے سے اسکو کیا حاصل ہوگا مگر اب
 یہ ہے کہ جب دیکھے گا کہ میں برابر اسے کاموں میں دخل انداز ہوں تو یقینی جھگڑوں میں سمجھکر
 ضرر پہنچا سکا۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نور جہان کو کس قدر عزیز رکھتا ہوں اگر مار ڈالوں گا
 تو ظفر کا دل غلٹ جائے گا اور اصل میں واقعہ بھی یہی ہے۔ نور جہان کے بعد ایک میل بھی زندہ رہنا
 گویا سولی پر رہنے سے بدتر ہے اچھا تو پھر ایسا کہیں نہ کروں کہ دلا در سے ملکر کہ دوں میں اپنے
 خیال سے باز آیا۔ نور جہان کو واپس کر دے یا کس پر ظاہر کر دوں کہ میں نے کیشش کی مگر کچھ
 حاصل نہ ہوا بولیں جلنے اور اسکا کان دل میں یہ خیال آیا تھا کہ جسم بھر گیا اور پھر اس طرح کہنے
 لگا میں خلعت خدا کو ہرگز دھو کا نہیں دینا چاہتا اگر ایسا کروں تو مجھ میں اور دلا در میں فرق ہی
 کیا بلکہ اس سے بھی بدتر۔ لوگوں کو صورت دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ اگر دولت سے زندگی بسر کیا
 تو کیا اس سے تو مر جانا ہی بہتر ہے اور کیوں نہیں خلا میری مدد کرے گا اچھا تو آپ جھگڑ کر لڑنا چاہی
 بیشک میرے خیالات ناپاک تھے خداوند عالم میں تیری درگاہ میں معافی چاہتا ہوں۔ سوائے
 تیرے اور کوئی میری مدد نہیں کر سکتا اگر میں حق پر ہوں تو تیرا انصاف میری رہبری کرے گا
 میں نور جہان کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں کچھ سے بڑھ کر اور کن ضمانت ہو سکتی ہے۔
 ان خیالات نے ظفر حسین کے دل میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ چہرہ بے تاب ہو گیا
 عشق نے قوت دی محبت نے رور دکھایا اور یہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

پھر وہ کہی ایک روح دیکھا زور عجاظین

(عزیز)

بہنی سانسین میں نے لین تار گر بیان بہن

تھوڑی دیر کہہ میں ٹھہرا۔ پھر پنجابی ڈرس پہنا ایک نوجوان سکھ نیکر گھر سے نکل کھڑا ہوا
 میوہ پہنچا دیا ایک چکر لٹکا لے کہ اکبری دروازہ میں ایک سا دھولا۔ لانا ہد۔ کیر لباس
 زیب تن۔ بڑے بڑے بال پشت پر بڑی جوتی پہن۔ تیزی سے نحاس کی طرت جا رہا ہے
 ظفر حسین بھی تیکے تیکے روانہ ہوا۔ نحاس میں یہو چکر دیا ایک یکہ پر بیٹھ کر چار باغ شیش
 روانہ ہو گیا ظفر حسین بھی ایک تانگہ پر بیٹھا اور اسکا تعقیب کیا۔ اسٹیشن پہنچ کر سا دھولے

کا کوری ہاکٹ لیا اور کھڑی ہوئی طرین میں جا کر بیٹھ گیا ظفر حسین نے بھی یہی کیا اور اس کے برابر والے تہ میں بیٹھ گیا۔

گٹھڑی چھوٹ نے میں بانچ منٹ کا عرصہ تھا۔ دیکھا کہ لیت فارم پر ایک آدمی اچھ
میں زردروال لیے ہلا ہوا جا رہا ہے۔ جبکہ دیکھتے ہی سادھو اتر پڑا۔ ساتھ ہی ظفر حسین بھی
اتر پڑا۔ ان دونوں میں آہستہ آہستہ گفتگو ہونے لگی مگر اس خیال سے ظفر حسین دُور دُور
رہا کہ اگر ان سے ملتی ہو کر ساتھ رہو گا تو ممکن ہے کہ انکو کچھ شہد ہو۔ اس لیے کچھ فاصلہ پر رہا
لیکن ان کی نقل و حرکت کو غور سے دیکھتا رہا۔ زردروال والے آدمی نے ایک پرچہ بکا لکھ
سادھو کو دیا جس کو دیکھ کر اس نے کہا تو ترکس وقت ہو بیچیکل جواب ملا تمھارے ہونچے
ہی مگر مویشیاری سے کام کرنا اچھ گفتگو کسی قدر لمبا دامن ہوئی تھی کہ ظفر حسین نے سننی
اب گٹھڑی نے سیٹی دی اور سادھو اپنی جگہ پر بیٹھ گیا ظفر حسین بھی اپنے مقام پر جا بیٹھا اور
قیاس کے گھوڑے دلع کی گدنگا ہوں میں کاوے کاٹنے لگے۔ اس نے خیال کیا کہ یقینی یہ
سادھو کسی ایسے مقام پر جا رہا ہے جہاں سے کچھ روانہ کرنا ہے جس کی واسطے موٹر جا لیکر کہیں
ایسا تو نہیں ہے کہ یہ شخص وہاں جا رہا ہو جہاں بد معاشوں نے انہیں جہاں کو قید کیا ہے اور
اب کسی دوسرے مقام پر بچانے کی فکر ہو۔ بیشک ایسا ہی ہے خیر خدا مالک ہے۔ گٹھڑی دیر
میں گٹھڑی کا کوری ہو چکی۔ صرف چند آدمی اس اسٹیشن پر اتارے ظفر حسین نے دیکھا کہ
سادھو بھی اتر آ رہا ہے گٹھڑی دُور نکل گیا تو ظفر حسین بھی اتر کر اس کے پیچھے پیچھے
روانہ ہوا سادھو اسٹیشن سے باہر آیا اور جانب شمال روانہ ہوا۔ ظفر حسین کی نگاہیں بھی اُچی
پر جمی ہوئی ہیں اور پوشیدہ پوشیدہ تعقب کر رہا تھا کہ سادھو ایک دیر لے کی طرف بٹھا۔ یہ بھی
سا پہ کی طرح ادھر ہی ٹھہر گیا گٹھڑی دور جانے کے بعد ایکسٹوٹا ہوا شوالا نظر آیا۔ سادھو نے
چاروں طرف تجسس آمیز نگاہوں سے دیکھا اور پھر اسی شوالے میں چلا گیا۔ ظفر حسین نے
گٹھڑی دیر انتظار کیا۔ مگر وہ واپس نہ آیا آہستہ آہستہ یہ بھی شوالے کی طرف بڑھا۔ خوب غور سے
دیکھا مگر سادھو کو نہ پایا۔ خیال کیا کہ شوالے میں کسی مقام پر پوشیدہ ہو گا۔ نہایت ہرشیاری سے
لیہ تھوڑا تھوڑا لیکر شوالے میں قدم رکھا ہر طرف دیکھا مگر اس کا پتہ بھی نہ تھا اب تو بچہ تمہارا
سوچتے سوچتے ذہن میں آیا کہ اسی شوالے سے کوئی پوشیدہ راستہ ہے چاروں طرف دیکھا تو
سوالے ایکسٹوٹا کی صورت کے چیکے گلے میں سرگے ہوئے پھونکا اترتا رہا تھا کہ لوگ اس

دیران مقام میں بھی شوالے میں ہوجاٹا کرنے آئے ہیں کسی چیز کو نہ پایا۔ یہ ایک مورت کے دلہنے
جانب شوالے کے کرنے میں ایک نہ بخیر کی کڑی نظر کی۔ اسکو کچھ کرکھینچا تو وہی چھری مورت
بائیں جانب سرکے لگی اور ایک نار نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ اتنا راستہ ہو گیا کہ ایک آدمی
بھی طرح سے جاسکے۔ غور سے دیکھا تو لکڑی کی سیڑھیان بنی ہوئی ہیں بسم اللہ کہ غار میں
اترے لگا جیون جیون سیڑھی پر سپر کھٹا مورت بائیں جانب سرکے جاتی یہاں تک کہ جب آخری
سیڑھی پر پہنچا تو مورت غار کو الکل پر پڑ پڑا خیال کر رہے تھے کہ کیا کر کر کے کھنڈی کے چڑھ کر
مورت وہی جانب سرکے اور غار کا ٹھہر گیا ایک چنانچہ کر آیا اور چڑھ کر ارادہ کیا تو یہاں اب نظر حسین
ایک سترنگ میں تھا مگر مستعد تار ایک کہ اندھیرے سے دم کھٹا جاتا تھا۔ فوراً برقی لیمپ ہٹا کر روشن
کیا تو دیکھا کہ سترنگ قرینہ گز کے لابی ہے آگے بڑھے کا قصد کیا تو دیکھا کہ پوری سترنگ میں بالو بھی
ہوئی ہے قدم بڑھا کر رکھا ہی تھا کہ پیروہنے لگے اگر پٹ کر اپنے کو سیڑھیوں کے پاس نہ گرا دے
تو زندہ درگزر ہو جاتا۔ چاروں طرف نظر ویشالی تو دراز میں ایک کھنڈی نکلی ہوئی دیکھی اس کو
دایا تو بچ سترنگ میں ایک چھوٹا سا غار پیدا ہوا اور تمام بھی ہوئی بالو اس غار میں ہو چکا غائب
ہو گئی۔ راستہ صاف ہو گیا۔ غار کو بھاگتے بڑھا سترنگ کے دوسری جانب اسی طرح ایک
کھنڈی اور نظر آئی جو بالکل پیوست تھی۔ اسکو کھینچا تو منوں بالو اس چھوٹے سے غار سے اُبل کر
تمام سترنگ میں پھیل گئی معلوم ہوا کہ اگر اب ہم اسی کھنڈی کو حساب کرکھینچا ہے دباؤ تو بکھر بالو غار
میں جلی جائے گی۔

ظفر حسین کے سامنے اب ایک آہنی دروازہ تھا جن میں نہ کبھی تھی نہ قفل خیال کیا کہ اس
میں بھی کوئی نہ کوئی بھید ہے۔ غور کیا تو دیکھا کہ دروازہ کے واسطے پٹ پر کٹے کا ایک نشان بنا
ہے اسی مقام پر اتھر کھڑے رہے دایا۔ تو پٹ اوپر چڑھ گیا۔ اس طرف ہو چکا بائیں پٹ
میں ایک سترنگ لٹک رہا تھا اسکو کھینچا تو وہ چڑھا ہوا پٹ گر کر بلند ہو گیا۔

اب سامنے ایک چھوٹا سا بنگلہ نظر آیا۔ بنگلہ میں ایک کرسی بھی ہوئی دیکھی جبکی پشت
میں ایک سوراخ ہے اور اس میں ایک نہ بخیر ہوئی ہوئی بنگلہ کی چیت تک پہنچی ہے یہاں
ٹھکا ہوا تو تھا ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھنا تھا کہ زمین چھٹی اور کرسی نیچے اترتی معلوم ہوئی۔ اگر
دور سے کرسی کو دیکھتے تو اندھے ٹھہر گئے۔ جیون ہی کرسی زمین پر رکھی فوراً اٹھ کھڑا ہو
وا کرسی پھلر کر کچھ کھڑی۔ تھوڑی دیر بعد اس قائم ہوئے تو اپنے کو ایک چھوٹے سے

نور شتابان میں پایا جو انداز و اقسام کے پھلدار درختوں سے بھرا ہوا تھا نارنگیوں
 کے درختوں میں اس کثرت سے نارنگیاں تھیں کہ درخت میں آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی
 اسی طرح انار کے درختوں میں انار بھی اسی کثرت سے تھے کہ ڈالیاں زمین پر پھٹکی ہوئی تھیں
 کیڑوں کی گودوں کی گودیں لٹک رہی تھیں۔ انکو رکی بیلین نہایت نفاست سے چھیلی ہوئی
 تھیں پھونکی جھکاسے بلغ معطر ہو رہا ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمین ہست

ہیں ہست وہیں ہست وہیں ہست

میں سے بیچارے سولے جا سکے کچھ پیا بھی نہ تھا خوب سیہ ہو کر میرے کھالے مت
 شفات فرار کے پانی سے تشنگی دور کی۔ دل و دماغ میں قوت آئی دیکھا کہ وسط باغ میں
 ایک کمرہ جس کا کہ دروازہ کھلا ہوا گیا اسکو اپنی طرف بلارہا ہے اندر پہنچا تو دیکھا
 کہ ایرانی غائبچون کا فرش ہے ایک طرف مسہری لگی ہوئی ہے جس پر نہایت نفاست
 بستر بچھا ہوا ہے۔

یہ بیچارہ حیران دل میں سوچ رہا ہے کہ ظفر میرے پیچھے کبوت وہ سا دھو بھی غائب ہوگا
 خدا معلوم زمین کھا گئی یا آسمان اگر باہر نکلتا تو مجھے ضرور سامنا ہوتا دیکھیے اب یہاں سے
 چھوٹا کر کب اور کیوں نکلتا ہے انھیں حیا لاف میں غلطان و بیجان تھا کہ سانس سے دم
 لڑتی شمیم ہاتھ میں ایک ربڑ کی ٹیڑی یا لیٹ ہوئے اسکو پیار کرتی ہوئی سکراتی ہوئی نہایت
 ہی بے پرواہی سے جلی آرہی ہے آئے ہی نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا اور کہنے لگی۔

شیمیمہ آپ تشریف لے آئے میں تو منتظر ہی تھی ڈگریا کر پیار کر کے دیکھیے میں نے اسکو
 گستاہنا یا ہے۔ اب ہم اسکی شادی کریں گے مامون جان سے روپیہ لیں گے۔ بیچ ہوگا
 آپ کو بھی بلا لیں گے۔ اللہ آئیے گا ضرور۔

ظفر حسین۔ او جو دیکھ اس لڑکی سے نہایت نفرت کرتا مگر اسوقت اسکے صدمے نہ
 بھروسے چہرہ کو دیکھ کر اور بائیں منگھڑا دیا۔

منگھڑا نا تھا کہ یہ بھی ہنسی اور کہنے لگی کیوں کیا آپ کو گڑیا ابھی نہیں معلوم ہوتی میں
 ہر دفعہ اسکو ساتھ کھینا کرتی ہوں۔ ہاں خوب یاد آیا آپ مسہری پر تشریف رکھیں میں
 حاضر ہوتی ہوں ڈگریا کو مسہری پر لٹا کر پیچھے تم لیٹو میں ابھی آتی ہوں۔ ورنہ نہیں۔

ہر وقت تڑپاتی ہے اگر کچھ دیر رویتی ہوں تو دل کی بٹری اس کم ہو جاتی ہے بس اب اور کیا
لکھوں سوائے اسکے کہ خاتم کو دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ خدا حافظ

زندگی تا ختم میعاد اسیری اور مہم
بس رملی کی امید ہے اہل زندان کر چکے (عزیز)

راقم بد قسمت (نور جہان)

ظفر حسین خط پڑھتا چاتا تھا اور آنکھوں سے مسلسل اشک جاری جب دل سے
شکون کی صورت میں گرم بخارات نکل سکے تو ایک آہ سرد کی۔

اپنی قسمت کو نہ روؤں جا رہ گری کیا احتفا

(عزیز)

اک مرض پیدا ہوا جب دوسرے کچھ کم ہوا

پھر شہید سے دیا نعت کیا "کیون اے لڑکی نور جہان کہاں ہیں۔"

مہم۔ وہ اسی مسہری پر تھیں ابھی غٹڑی دیر ہوئی نہیں ہیں۔ اے ہے کیا آپ نے
بین دیکھا۔

حسین۔ گئیں کہہ سے اور کہاں گئیں۔

ہم۔ (ہنس کر) لیجئے بھلا میں کیا جانوں اگر یا کو بیار کر کے) میں اسکے ساتھ ادھر باغ میں
راہی تھی۔ ہر سنگھار کے درخت میں اسکے لیے بھولا ڈالا ہے۔ علاوہ اسکے وہ مجھ سے بہت

نہ تھیں۔ میں نے لاکھ لاکھ منایا۔ ہاتھ جوڑے۔ منتیں کی۔ پاؤں پر گری۔ مگر وہ یہی کہ
کہ دور ہو میرے سامنے سے میں نے بہت بہت کہا کہ آپ کے پیرو بادوں مگر نور جہان
نے نہ مانا۔ محکوم بھی مامون جان نے ڈانٹا کہ چلی جا سامنے سے اُن کو کیوں پریشان
ہے۔

حسین۔ ہم تو کٹھالی کھلائیں گے یہ بتاؤ کہ نور جہان کہاں گئیں۔

ہم۔ اس گڑبائے سر کے قسم جو میں کچھ بھی جانتی ہوں۔

میں نہ تمہارے مامون کو کہتا ہوں۔

میرے بھائی آپ بھی دلی کر رہے ہیں آپ ہی کے ساتھ تو ریل پر آئے ہیں اتنی سی دیر میں
لے گئے۔

ہیں۔ تمہارے باپ کہاں ہیں۔

شمیم۔ نوگ کتے ہیں وہ مر گئے اب نہیں آ سکتے اچھا اب میں اپنی گٹ یا کو باغ کی سیر کر دوں گی
آپ جانیے۔

ظفر حسین۔ اب میں نہیں جاؤں گا دلاؤ نے یہ مکان مجھ کو دیا۔

شمیم۔ تو غلطی دیر کے لیے تو جانا ہی پڑے گا۔

ظفر حسین۔ اگر نہ جاؤں تو کون نکالے گا۔

شمیم۔ گٹ یا کو دکھا کر دیکھیے یہ۔

ظفر حسین۔ کیا یہ باتیں بھی کرتی ہے۔

شمیم۔ جی ان۔

ظفر حسین۔ کس طرح۔

شمیم۔ گٹ یا کو ہاتھ میں دیکر اس کا پیٹ دبائیے دیکھیے یہ باتیں کر لیگی زور سے دباؤں گا
کہ سر لیگی انٹرویو ان نکل پڑیں۔

لوٹی نے کچھ اس طرح بھولے ہیں سے کہ اگر ظفر حسین نے گٹ یا کو لیکر اسکے پیٹ کا زور
سے دبایا نہ تھا کہ گٹ یا کا منہ کھلا۔ ہوا کا ایک بھینکا ناک تک پہنچا۔ سر چلا یا لاکھ لاکھ چا بار
اب بھلوان آسکھیں بند ہو گئیں۔ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

دم توڑتا ہوں تو نیچے قاتل کے سامنے
شرح حیات بکھتی ہے منزل کے سامنے
(مصنف)

باب

جب چشم اعتبار سے ہستی یہ کی نظر
ماتوس ہو کرے ٹوٹ گئے دل حباب کے

دھوکا

ظفر حسین کی آنکھ کھلی تو اپنے کو ایک کھلے ہوئے میدان میں پایا مغموم و پریشان اٹھا خیال
یا کہ اس عجیب و غریب مکان کا کوئی دور مراستہ بھی ہے جہاں سے یہ لوگ نور جہاں کو نکلے

خدا معلوم پچاری کس آفت میں ہے میں کیا طلسمی برج کی تلاش کروں اور کس طرح
کی گرفتاری کی فکر کروں۔ دل تو تارو میں نہیں نورِ جہان نہیں تو دنیا ہیج ہے جس طرح
مہر کے اُسے را کرنے کی فکر کرنا چاہیے کہ دل مضطر کو قرار دے اور کوئی خاص راستہ
قائم کر سکوں۔

دل نہیں جب تک کیا جیوت میں خاک
میری کشتی کا نا خدا ہی اسین

نورِ جہان کو دھوڑھوڑ بھی تو کہاں جا کر دلاور نے خط میں لکھا ہے کہ میری
اسی طرح کی بہت سی برج اگر کسی ایسے مقام پر نورِ جہان کو رکھا ہے تو بھلا میں کس طر
ہیں سکتا ہوں خیر جہنم بھی ہر جہاں ہو کر گیا ہے کوشش ضرور کرنا چاہیے۔ یہ سوچنا
انشیئن پر نیچا کا ڈری کا وقت دریافت کیا معلوم ہوا دو بجے یہاں سے روانہ ہوتی
دس منٹ باقی تھے انشیشن پر ٹھہرنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں گاڑی آئی لکھٹ لکھ
کھلائی کھٹو پھونچی ظفر حسین سیدھا کہ تو آئی ہو چکا۔
کو تو ال صاحب دیکھتے ہی کہنے لگے۔

کو تو ال صاحب! آپ کہاں تھے میں نے دوسرے آدمی بھیجا مگر معلوم ہوا کہ آپ صبح
گھر سے نکل گئے تھے۔

ظفر حسین۔ جی ان سوقت سے ابھی تک گھر نہیں گیا۔

کو تو ال صاحب۔ کہنے کوئی جدید خبر۔ کیا الگ الگ سب باتوں کا پتہ لگا بیٹے سکا
ظفر حسین۔ بھلا آپ سے کیا پوشیدہ کر دن کا۔ بغیر آپ کی مدد کے تو میں کچھ کر ہی
سکتا۔ چہرہ ہار دانا ہونا سا دھوکا چھپا کر نا۔ گاڑی ہو چکا۔ عجیب و غریب مکان کی
ضمیمہ کی عیاری سب بیان کر دیا۔

کو تو ال صاحب۔ واقعی معاملہ پیچ و پچ ہوتا جا ملے یہ کجست خیمہ بڑی جا
لوگ ہے۔

ظفر حسین۔ آفت کی پڑیا ہے۔ تھرے۔ باتیں ایسی بھولی کہ پیار آدے مگر فطرت
دوبی ہوئی۔

کو تو ال صاحب! آپ کا کیا ارادہ ہے۔

ظفر حسین۔ ابھی میں نے کوئی رائے قائم نہیں کی میں ہمت تھکا ہوا ہوں اسوقت گھر جاتا ہوں مگر اب صرف دریافت طلب یہ بات ہے کہ موٹر کدھر گئی یعنی موٹر پر نور جہان کو لے گئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ نور جہان کو کھنڈر میں نہیں رکھا۔

کو تو ال صاحب۔ میں بھی آپ کی رائے کی تائید کرتا ہوں اچھا اب آپ گھر تشریف لے جائیں
حام وغیرہ کے آپ نے تو پھر اطمینان سے گفتگو ہو۔

ظفر حسین تو گھر روانہ ہو گیا کو تو ال صاحب اٹھ کھڑے ہو کر چوک آئے۔ بھول والی گلی دیکھا کہ ایک سادھو کل میں کھڑا ہوا اٹھائی لے رہا ہے۔ غور کیا تو بالکل وہی حلیہ جو ظفر حسین نے بتایا تھا خیال کیا کہ اگر اسکو گرفتار کر لیا تو ایک ہی ہر معاش کم ہوگا۔

میں سپاہی کھڑے تھے اشارہ سے کہا کہ اسکو گرفتار کر لو۔ سپاہیوں نے بڑھکر گرفتار کرنا چاہا فوراً فیک کی آواز آئی اور ایک سپاہی گر پڑا۔ وہ فیر کر کے دوسری گلی کی جانب مڑا یہی تھا کہ کو تو ال صاحب نے بڑھکر گرفتار کر لیا ملاشی لی گئی جیب میں مختلف قسم کے آلات نکلے اور بے رحم جس پر لکھا تھا۔ دہلی۔ چاندنی چوک۔ لال دروازہ۔

سادھو سے لاکھ لاکھ پوچھا کہ تم دلاور کو جانتے ہو۔ وہ کہاں ہے۔ یہ سنکر سادھو مسکرایا اور سوالیے خاموشی کے ایک نغمہ بھی نہ کہا۔ جب ہمت دریافت کیا تو جواب دیا۔ بنگلہ میں دلاور کو جاتا ہوں اس کے نام چیلون کو جاتا ہوں۔ اسکی قیام گاہ ہوں سے واقف ہوں بلکہ ہر راز سے واقف ہوں۔

کو تو ال صاحب۔ خوش ہو کر شاہنشاہ جتنی باتیں تم نے بیان کیں اگر تباہ و تہوہ پڑ دیے جاؤ گے ورنہ کیا فائدہ کہ ایک خون بھی کرچکے ہو پھانسی دی جائے۔

سادھو۔ کو تو ال صاحب ہوش کی دوا کیجئے۔ میرا دل ان رازوں کا بدن ہے بھلا کہاں دلاور کے راز اور کہاں پولیس کے کان۔ آخری سزا جہاں میرے لیے تجویز کی ہے وہ پھانسی ہے بھلا ایسی موت کسی کو کہاں نصیب اس مرنے سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ بنگلہ پر ٹیسے بڑے اڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ دوسرے پریشان خود جان سے عاجز۔ خیر ان باتوں سے کیا غرض آپ کو تو ال نے چیلون۔ شب کو میں سو رہا بھی نہ تھا دہن چلکر آرام کر دیکھا ابھی میں ہو گیا کہ کو تو ال پھر میری حفاظت کرے گی۔ میں اتنا خیال رہے کہ خود غل نہ ہوئے باور سے کہ تو ال صاحب ہم سب کے جہان ہیں۔ دیکھیے اچھا ہمارے یہاں بھروسے سے چلے گئے تھے کسی قسم کی شکایت نہیں

ہوئی۔ ان باتوں کا خیال رکھیے گا۔
 کو تو ال صاحب کو یہ باتیں سن کر نہایت غصہ آیا چہرہ سرخ ہو گیا جانتے تھے کہ کچھ سزا
 دلائی۔ مگر پھر خدا معلوم کس خیال نے ہاتھ روک دیا اور خاموش ہو گئے۔
 اس بیباک گفتگو نے عجب اثر کیا ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو
 دلا دے کی یہ قوت نہ ہوتی جب اُسکے چیلے ایسے ہیں تو خدا معلوم وہ خود کیا آفت ہوگا۔
 سادھو نے بھی سنا اور مجمع سے مڑ کر کھٹے لگا دو دوست بھر ایسے متعدد اُسکے خدشہ نگار
 ہیں جن سے وہ کام لینا بھی پسند نہیں کرتا یہ نہ خیال کرنا کہ میری گرفتاری سے اُس کے
 گرد وہ کچھ اثر پڑے گا۔

سادھو کو تو ای لا یا گیا چالان ہو کر سنٹرل جیل روانہ کر دیا گیا۔
 کو تو ال صاحب ان باتوں سے فراغت کر کے طفر حسین کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ
 بیچارہ سخت بیمار ہیں جتنا ہے کو تو ال صاحب۔ مگر طفر حسین آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ دلا دے گا
 ایک جلد میں کہ آپ نے تعاقب کیا تھا گرفتار ہو گیا۔
 طفر حسین۔ کس طرح اور کہاں۔

کو تو ال صاحب۔ پھول والی گلی میں کھڑے ہوئے ٹھکانے رہے تھے۔ اتفاق سے میر
 بھی بکلا شکتے ٹھٹھے ادھر بھی جا پہنچا بدعا ماش نے ایک بڑے شکر دیا اُسکی گری کا نشا
 بھی ہو گیا۔

بڑی اتفاقی کرتار۔ زبان قہنجی کی طرح چلتی تھی۔ تلاشی لی تو کچھ آلاش اور ایک پرہ
 ملا مگر تجربہ سے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ دیکھیے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔
 طفر حسین نے پوچھا پڑھا کچھ دیر غور کرنے کے بعد عرض ہو کر کہا کہ کو تو ال صاحب یہ
 نہ پچھو جو زور و زوال دے دے آدنی نے سادھو کو چار بار غلط اسٹیشن پر دیا اس میں نور جہا
 کی راست لکھا ہے کہ دلی۔ جانتی چوک پہنچا دو۔

مگر فسوس صد فسوس کہ جب وہ گرفتار پہنچا تو موٹر کی جیتونہ کی گئی اگر میں ہوتا تو
 اسکے کہ وہ گرفتار ہو موٹر کی تلاش کرتا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔
 کو تو ال صاحب۔ بھئی ان غلطی ہوئی۔ واقعی آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔
 طفر حسین۔ اچھا اب آپ جلد سے جلد دلی روانہ ہو جائیے۔ مجھ میں طاقت نہیں

میں خود ساتھ چلتا۔

اگر میل سجا کر کم ہو گیا تو میں بھی آؤنگھا آپ روانہ ہو جائیے۔

کو تو ال صاحب! آج میں جاتا ہوں وہاں کی مقامی پولیس سے مدد لون گا۔

اے کنگر! اٹھے سیدھے کو تو ال ہو نیچے چند ضروری احکام جاری کر کے سپرنٹنڈنٹ صاحب

کے یہاں گئے واقعات کی اطلاع دیکر سیدھے چار بارغ اسٹیشن پہنچے۔ بائچ بچے گاڑی روانہ

ہوئی، بچے شب کو مراد آباد پہنچے گاڑی بدلی گئی دوسری ٹرین میں جا کر بیٹھے جس ٹرین

میں بیٹھے تھے اُس میں صرف تین مسافر تھے ایک صاحب! انگریزی ڈریس پہنے ہاتھ میں ہینڈ

لیے کو تو ال صاحب کو دیکھتے ہی اپنے پاس جگہ دی کہنے لگے آپ کہاں سے تشریف لارہے

ہیں! کچھ دیر تو کو تو ال صاحب خاموش رہے پھر جواب دیا میں سنڈیلے سے آ رہا ہوں

آپ کہاں سے سوار ہوئے ہیں اور کہاں جا کیے گا۔

وہی شخص۔ میں ڈاکٹر ہوں وطن دہلی ہے۔ مراد آباد میں میرے ایک دوست ہیں

اُن کے سرطان نکلا ہے کل آپریشن کیا آج جا رہا ہوں آپ کہاں جا کیے گا۔

کو تو ال صاحب! میں زمیندار ہوں میں بھی دہلی ایک دوست کے یہاں جا رہا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب! تجکو اخبار کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ آجکل کھنڈ میں عجب تہلکہ مچا ہوا ہے

دلاور پھر زندہ ہو گیا۔ شجاعت حسین مقتول دہلی ہی کے باشندہ ہیں۔ میں اُن سے اچھی

طرح واقف ہوں۔ خدا بخشنے نہایت نسیک آدمی تھے بلکہ مشفق حسین سے بھی اچھی طرح

ملاقات ہے نہ آجکل تو بڑے کارناما یان کر رہے ہیں۔

کو تو ال صاحب! جناب! میں ان امور سے بالکل واقفیت نہیں رکھتا۔ میرے مرتبہ درو

ہو رہا ہے مہربانی فرما کر خاموش رہئے۔

ڈاکٹر صاحب! معاف فرمائیے گا۔ میں نہ واقف تھا ورنہ آپ کو کیوں پریشان کرتا۔

گاڑی صبح ۸ بجے دہلی پہنچی۔ کو تو ال صاحب! اگر کہ ایک ہوٹل میں پہنچے کسل دور

کونہ کے لیے جا رہی! آشتہ کیا۔ جب اچھی طرح سستالے تو ہوٹل سے باہر نکلے۔ کچھ دور چلے ہو گئے

کہ دیکھا آگے آگے ڈاکٹر صاحب بھی جا رہے ہیں۔

کو تو ال صاحب! دیکھا کہ جناب! ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر صاحب نے مڑ کر دیکھا اور ٹوک گئے۔

کو تو ال صاحب - معاف فرمائیے گا میں نے شکوایہ تہذیب کے خلاف گفتگو کی تھی۔
ڈاکٹر صاحب - (خندہ پیتائی سے) تہذیب کے خلاف کیا بات تھی جس وقت سے
آپ نے شروع کیا میں نے کسی دوسرے شخص سے بھی گفتگو نہ کی صرف اس خیال سے کہ کیا فائدہ
کوئی شخص پریشان ہو۔

کو تو ال صاحب - آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب - چاندنی چوک۔

کو تو ال صاحب - چاندنی چوک میں بھی جا رہا ہوں مگر صرف ایک مرتبہ جکوا پنے دوست
کے یہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ مکان بھول گیا ہوں محض اتنا یاد ہے کہ دروازہ لال ہے۔
ڈاکٹر صاحب - جی ان ایک مکان ہے مگر اس میں تو وہ کبھی کبھی آکر مقیم ہوتے ہیں اور اپنے
سرکلنگ کا سودا کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نہایت زندہ دل آدمی ہیں۔ جیسا کہ میں تو ایکس جتن رہتا
ہے پر سون میں جب مراد آباد گیا ہوں تو ان کے یہاں جلسہ تھا اور محلہ داروں کو بھی مدعو
کیا تھا۔

کو تو ال صاحب - ٹھیک ہے اب کیا کہوں ڈاکٹر صاحب خود بول اٹھے۔ یہ مکان کھلا

ہے ایک شہزادے صاحب خیر باد ہے۔ مکان کیا قلعہ ہے۔

کو تو ال صاحب - جی ان محلہ وہیں جانا ہے۔

ڈاکٹر صاحب -۔۔۔ تو پہلے غریب خانہ پر چلے پھر وہاں جائیے گا۔

کو تو ال صاحب نے لاکھ لاکھ انکار کیا۔ مگر نہ مانا پہلے اپنے وہاں گئے کہ کھولا۔ آدمی کو
جاہلانے کا حکم دیا۔ کو تو ال صاحب کہتے ہی رہے کہ میں جا رہی چکا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب چاہے
کی خریدان بن رہا ہے فصیح بیان زبان سے کہتے تھے کہ چاہی کہ کو تو ال صاحب نے کہا ہم مرنے
فرما کر اپنے آدمی کو ہمراہ کر رہے تھے کہ وہ محلہ مکان بتائے۔

ڈاکٹر صاحب خود ہمراہ ہو گئے مکان جا کر بتا دیا۔ دیکھا تو واقعی دروازہ لال ہے ڈاکٹر صاحب
نے احازت چاہی کہ اچھا اب میں رخصت ہونا ہوں بچلے وقت مجھے ضرور ضرور ملے گی
یہ کہ ڈاکٹر صاحب تو چلے گئے کو تو ال صاحب نے ایک محلہ واسے سے پوچھا کہ کیوں بھی اس
مکان میں جو سوداگر صاحب ٹہرے ہو یہاں کیا ان کے ہمراہ زانی سوار یاں بھی ہیں۔

وہی شخص۔ یہ تو میں نہیں جانتا مگر اچھی گھنٹہ بھر ہوا کہ یہاں باہر ٹپل رہے تھے۔
کو تو ال صاحب۔ قریب کے تھانے پر پہنچے۔ دو سب انسپکٹر درتین سپاہیوں کو
لیکر وہیں آجودہ ہوئے۔

حکم دیا کہ جب میں آواز دوں فوراً تم سب چلے آنا باہر سب حکم کے منظر مسلح کھڑے رہے
کو تو ال صاحب مکان میں داخل ہوئے دیکھا تو صحن نہایت کشادہ ہے متعدد دکرے اور
صحیحان ہیں مگر کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ چاروں طرف دیکھا مگر کسی کو نہ پایا۔ مجبور ہو کر اپنے
ہمارے میں کو ملا۔ اُن سب نے بھی مکان میں مع تمام کو گھریاں تھوڑے تھوڑے ڈاکٹر کوئی
دکھائی نہ دیا۔ صرف ایک والا ان میں چند لنگ بفریہ کے تھے اور ایک جگہ خالی بانی کے کھڑے تھے
ہوئے تھے کو تو ال صاحب نے خیال کیا کہ شاید بدعا شون کو نہ لگ سکی اور وہ جگہ گئے
مجبور ہو کر ٹپل ڈاکٹر صاحب کے یہاں گئے تو دیکھا کہ مسہری پر بیٹے ہوئے ایک کتاب کا مطالعہ
کر رہے ہیں دیکھتے ہی آٹھ بیٹھے۔

ڈاکٹر صاحب۔ کیسے جناب ملاقات ہوئی۔

کو تو ال صاحب۔ وہاں تو کوئی معلوم نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب۔ تعجب ہے شاید کہ میں چلے گئے ہوں۔ اگر باہر جاتے تو کم از کم مکان مقفل کر
جاتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہیں کہیں گئے ہوئے ہیں۔ ٹھوڑی دیر کو تو ال صاحب بیٹھے
بھر یہ خیال کر کے کہ شب دیکھا جاوے گا وقت بھی مناسب ہو گا ڈاکٹر صاحب سے اجازت لیکر تھوڑا
ردا نہ ہو گئے۔ بچے شہید کو بھر مع اپنے ہمارے میں کے آپہنچے ڈاکٹر صاحب کی طرف سے ہو کر
گزرے تو دیکھا وہ اسی طرح کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اُسی مکان پر پہنچے اور جمع اپنے
ساتھیوں کے داخل ہوئے دیکھا ایک آدمی کو کھڑی میں چلا گیا۔ سب نے اُس کا تعاقب کیا
کو کھڑی میں پہنچے تو اُس کا پتہ نہ تھا۔ طاق پر ایک لالٹین روشن رکھی ہوئی تھی ایک
کا سنبل نے اُٹھا کر کو نہ کو نہ دیکھا ڈاکٹر اُس کے یہاں نشان بھی نہ پایا۔ اب تو سب کو خوف
پیدا ہوا کہ یا آگئی یہ کیا ماجرا ہے جن تھا۔ یا بھوت سب اسی شش درچ میں کھڑے تھے کہ
ایک حکم کی زمین پوی دیکھی ٹھوڑے گائی تو مٹی سرکائی اور ایک لکڑی کا تختہ نظر آیا۔ اُس کو
ہٹایا تو ایک کنواں سا نظر آیا جس میں ایک آہنی زنجیر لٹی ہوئی تھی زنجیر کو لاکھ کھینچا نہ کھینچی
کڑکایا تو ایک کڑکھینچا تو ایک لڑکے کا آکر انور میں سے اوپر کی طرف پھیلے ہوئے معلوم

ہوا کہ کوڑاں صاحب اس میں بیٹھ گئے وہ نیچے اتر گیا۔ دیکھا کہ ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے اس کو کھولا تو ایک بچہ بیٹھ بیٹھ ہے۔ اس میں دھن کی طرح سب لوگ صبحی میں داخل ہوئے اس میں ایک دروازہ تھا اس کو کھولا تو ایک چھوٹا سا مکان نظر آیا جس میں اس کشتی بجلی کی روشنی ہو رہی تھی کہ بالکل دن معلوم ہوتا تھا۔

کوڑاں صاحب سا قیون کو ہدایت کی کہ سب لوگ یہیں ٹھہریں اور میری ادائیگی کے آدین یہ لکڑی کے چکے چکے مکان میں داخل ہوئے اور سامنے والے کمرے کی طرف دیوار کی آٹھ کچھسے ہوئے بڑے۔ صرف بیچ کا دروازہ کھلا تھا بند دروازہ کی دواز سے جھانک کر دیکھا تو کہ نہایت سجا ہوا تھا بجلی کی روشنی ہو رہی تھی ایک طرف دلاؤ گری پر بیٹھا ہوا ہے ہاتھ میں چائے کی پیالی ہے۔ چہرہ پر مسکراہٹ ہے۔ کوڑاں صاحب دل میں بہت خوش ہوئے کہ سچ تمام جھگڑا پاک ہو گیا۔ انعام پانے کی خوشی۔ عہدہ پڑھنے کی مسرت فوراً جیسے پہلے دل نکالا۔ خوب اچھی طرح جانچ کر فرمایا۔ گولی عین منہ پر پڑی خون جاری ہو گیا فوراً ایک آدمی برابر والے صحنی سے نکلا اور نعش لیکر چلا گیا۔ کوڑاں صاحب فوراً کمرے میں داخل ہوئے خوشی میں مسرت ہو رہے تھے۔ دیکھا تو کمرے میں خون ہی خون ہے ایک طرف چائے گری ہوئی ہے۔ پیالی چکنا چور ہو گئی ہے۔ سا قیون کیا دوا دی تھی کہ کئی نہ آیا۔ اپنے کو گھبراہٹ سے دل دھڑکنے لگا۔ چاہتے تھے غور جا کر دیکھوں کہ کمرے میں ایک لڑکی نیکل میں بی بی کا بچہ دبائے سسلاتی ہوئی آئی۔

کوڑاں صاحب دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہی شہید ہے جس کا ذکر فلاں میں نے کیا تھا واقعی بڑی چھوٹی صورت ہے کان میں دو بندہ سنہ سنہ لٹک رہے تھے یہ بھی نہ یاد رہا کہ لڑکی کس قدر فطرتی ہے۔

شہید نے پہلے جھک کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ پھر کہنے لگی۔

شہید۔ (بلی کے بچہ کو پیار کر کے) دیکھئے بالکل سچی لڑکی کا معلوم ہوتا ہے مگر مومن جان کتنے میں کہ یہ ایک سفید مہال کا بنا ہوا ہے اسکے بیٹ میں کلین ہیں۔ بچے ضرور سے یہ جلتا ہے۔ ہاں کہہ کر عیب سے ایک کنبی کالی اور پیچ میں جو بیٹ کی طرف نکلا ہوا تھا لگا کر چند بار کھٹکایا پھر نکال لی تو واقعی وہ بلی کا بچہ کمرے میں دوڑنے لگا۔

کوڑاں صاحب کو لڑکی کی اس حرکت پر کچھ ہنسی معلوم ہوئی کہنے لگے تم ہم کو چاہتی ہو ہم

کہن ہیں۔

شمیمہ۔ جی ان میں جانتی ہوں آپ ہمارا بی کا بچہ چرنے آئے ہیں، اکر جلدی سے اُسکو اُٹھا لیا۔ اور پیار کر کے کہنی لگی۔ آپ کو خدا کی قسم یہ چھین کر نہ جائے گا ورنہ میں بہت روؤنگی نہ کہ کہ میں چھیلے ہوئے خون کی طرف دیکھ کر ہے۔ یہ آپ نے سنے یاں کھائے ہیں جس کی اتنی بیک ہے دیکھیے وہ اگا لڑاں رکھا ہوا تھا آپ کو نہیں دکھائی دیا۔ اب ماننا جان نضا ہون کے کہ خون بد تمیز آیا تھا۔

کو تو ال صاحب۔ تم کو کچھ خبر بھی ہے اب ہم تم کو اور تمہارے بچے کو پڑ کر یہاں لے جیسے پھر دے برقم ہو اُس کا خاتمہ ہو گیا۔

شمیمہ کس کا خاتمہ ہو گیا۔

کو تو ال صاحب۔ دلاور کا خاتمہ ہو گیا یہ اُسی کا خون ہے۔

شمیمہ۔ (تیسری پر بل ڈال کر) واہ چھوڑا تمہاری بات۔ توخ خدا نہ کرے دشمنوں کے کان ہرے کس کی مجال ہے کہ انکا بال بیکا کر سکے۔ وہ تو صبح سا کم کتاب دیکھ رہے ہیں کہ کٹھری کے پردہ کو ہٹا کر دیکھیے وہ کون آ رہا ہے۔

کو تو ال صاحب نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی ڈاکٹر صاحب ہاتھ میں کتاب تھہرین سگریٹ دالے چلے آ رہے ہیں تن بدن کا خون خشک ہو گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا کہ سپتول نکالوں ڈاکٹر صاحب کہنے لگے۔

ڈاکٹر صاحب۔ کیوں کیا تلاش کر رہے ہو امیز پر سے سپتول اٹھا کر دیکھو ہی ہے نہ ہوش کی دوا کر جب کہ وہ میں شمیمہ آئی اسی وقت اس نے تمہارے ہاتھ سے لیکر میز پر سپتول رکھ دیا۔ مگر تم تو خوشی میں مست ہو رہے تھے۔

کو تو ال صاحب نے زور سے اپنے ساتھیوں کو آواز دی جیسوی ڈاکٹر صاحب ایک ہاتھ رکھنے لگے۔

بھئی واہ تمہاری آواز میں اس قدر زور تو نہیں کہ وہ جگہ مسجد تک پہنچ جائے۔ وہ اس کے سب وہاں ٹیلے پر اُڑے بیٹھے ہوئے ہیں ریسکر اگر میں سچ کہتا ہوں وہ اس طرح بے ہوش ہیں کہ گویا مسجد میں پیکر مارنے جارہے ہیں یا یہ کہ خشکی میں ملاجی کے ہاتھ نکال رہے۔ کو تو ال صاحب تم بڑے نشانہ باز معلوم ہوتے ہو۔ اسے یہ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ ایک ہی

خیز پر دغ کا مجسمہ دلاور کی صورت کا بنا ہوا رکھا ہے جسکے اندر بکری کا خون ہے لیکن تھکے
 ہی تاک کر نشانہ لگایا اور دلاور کو مار ڈالا جی میں آج اسے کہ اس طرح میں بھی ایک نشانہ
 لگنا تو ان کے بقول اٹھا کر لکڑی ٹھیک ہے نہ اچھا ڈرو میں تم کو کانپ رہے ہو۔
 خیر اب یاد رکھنا جان دلاور کی صورت کا کوئی آدمی دکھائی دے۔ کچھ دینا نہیں
 اتنا بھی نہ سمجھ کہ دلاور ایک ڈاکٹر کی صورت میں تمہارے ہی ساتھ سفر کر رہا ہے خوب برم ہر
 تھے علی واہ تم کو اپنے ایک دوست سے ملنے آئے تھے یہاں دشمن کا مقابلہ ہو گیا کو تو ال
 صاحب اگر جا ہوں تو تمہارا خاتمہ کر دوں مگر صرف یہ خیال ہے کہ تم نے کہا تھا میں ایک
 دوست کے یہاں ہمارا جا رہا ہوں۔ وہاں کے ساتھ بڑا سلوک کرنا کس شریعت میں
 رہا ہے۔ لہذا تم کو چھوڑتا ہوں۔

کو تو ال صاحب کی غصہ سے عجیب حالت تھی تھر تھر کانپ رہے تھے مگر بے بس
 بقول وہ بھی دلاور کے ہاتھ میں۔ جب ضبط نہ ہو سکا تو کہنے لگے۔
 کو تو ال صاحب۔ یہ معاش آخر تک ایسا ہو گا ایک دن ضرور تمہارا ہاتھ لگے گا
 کی ہر اس کے اور جس طرح تیرا ایک ساتھی بکڑا گیا ہے تو بھی گرفتار ہو گا اور
 کو تو ال صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے کہ دلاور بول اٹھا۔
 دلاور۔ میں خیال مست و محال ست و جنون۔ جب تک دلاور کے دم میں دم ہے
 کس کی مجال ہے کہ وہ دلاور کے ساتھ یون میں سے کسی پر ہاتھ بھی اٹھا سکے تو ٹھہری
 پر وہ کو اٹھا۔

سب سے ملاقات کر لو۔
 دیکھا تو وہی سادہ باندھن میں کنٹھالیے مسکراتا ہوا ایسا
 خوش اظہار کے کہ یہ کیا معاملہ ہے اسکو تو میں نے
 جیل بھیجا تھا۔ یہ یہاں کیلا
 میں نے تیرے کو گرفتار کیا تھا چالان کر کے جیل بھیجا تھا۔ یہ یہاں کیلا
 میں نے تیرے کو گرفتار کیا تھا چالان کر کے جیل بھیجا تھا۔ یہ یہاں کیلا

کیون اس میں تعجب کس امر کا یہ کوئی ایسی بات تو نہیں کہ اسکھین چھوڑ دیا
 رہے ہو تم نے ناہر کو سنڈرل جیل بھیجا تھا وہاں ایک فریڈک نامی جیلا سپرنٹنڈنٹ
 جیل کی صورت میں کھڑا تھا وہ اپنے ہمراہ لے آیا اور قبل اسکے کہ تم ملی ہو جو وہاں
 یہاں یہونگیا شکر کرو کہ تم نے ناہر کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی تھی ورنہ وہ بھی

اسی طرح اب یہاں پیش آتا اچھا اب میں جاتا ہوں تم نے میرا بڑا وقت ضائع کیا ایک نہایت عمدہ ضروری کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا بس اتنا یاد رکھو کہ یہ میری دوسری قیامت گاہ ہے جو کل پتہ چھو معلوم ہو گیا اسی طرح کے متعدد میرے مکان ہیں یہ نہ خیال کرنا کہ دلاور کا نقصان ہوا لائق جانو کہ اسی دہلی میں ساٹھ مکان اسی طرح کے میرے قبضے میں ہیں یہ ان سب میں بدترین ہے اس لیے آج یہ بھی چھوڑنا ہوں میری آسائش کے واسطے دوسری چھوڑیں اس سے بہتر زمین ہے مگر یہ وہ اٹھایا سا دھواور دلاور چلے گئے اور ساتھ ہی نوکر دروازہ بھی بند ہو گیا۔

اس دوران میں شمیمہ اسی طرح بے کے بچہ سے کھیلانے لگا اور کے جائے کے بعد کو تو ال صاحبہ سے آئے تھے جاتا چاہتے تھے کہ راستہ بند پایا وہ مچھی جس میں ساتھیوں کو ٹھہرایا تھا پندرہ سے اُس کا دروازہ بھی بند۔ بہت حیران کہ اب کیا کرنا چاہیے شمیمہ نے دیکھا اور کہنے لگی شمیمہ آپ پریشان کیوں ہیں۔

پہلے تو کو تو ال صاحبہ نے کچھ جواب نہ دیا پھر سوچا کہ اسی لڑکی سے شاید باہر نکلے گا راستہ معلوم ہو جائے اس سے پوچھ لے۔

کو تو ال صاحبہ کیا باہر جانے کا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے۔
شمیمہ۔ ابھی کہاں جائے گا دیکھئے ہماری بلی کے بچہ سے کھیلے ان خوبیاؤں پر میان نظر سے کہہ دیجئے گا بیوی زرخوان بالکل اچھی ہیں مگر روتی بہت ہیں نہایت لافز و گدگدائیں ہیں اور میری طرف سے بھی سلام عرض کر رہے تھے گا۔

کو تو ال صاحبہ۔ نورجوان کہاں ہیں تم جانتی ہو۔
شمیمہ۔ جی ان میں جانتی ہوں اور میری بلی کا بچہ بھی جانتا ہے۔

کو تو ال صاحبہ۔ اچھا بتاؤ کہاں ہیں۔

شمیمہ۔ میں سوچ رہی ہوں۔
کو تو ال صاحبہ۔ یہاں کس جگہ۔

شمیمہ۔ بلی کے بچے سے پوچھ لے راستہ بتا دیگا۔ جہر جہر جا لے چلے جائیگا۔
کو تو ال صاحبہ۔ یہ راستہ کس طرح بتائے گا۔

لڑکی نے بلی کے بچہ کا سر کچر کر دیا تو منہ کھل گیا بیچہ نہایت اطمینان سے کو تو ال صاحبہ

کی بندلی اسکے منہ میں دیدے کو تو ال صاحب بھی یہ حرکت خاموشی سے دیکھتے رہے مگر دانست
اس قدر تیز تھے کہ گوشت میں بیروست ہونے لگے۔

انہی اچکنے لگی کہ کھٹ نہ رہے کھٹ کو تو ال صاحب کو غصہ آیا دوسرے پر سے ٹھوکر
مارا ایک آواز آئی پیٹ پھٹا دھوان پھیلا۔ لڑکی تو آواز ہوتے ہی جھاک گئی تھی دھوان
کو تو ال صاحب کی ناک میں پھونچا۔ کلور و فارم کا اثر کیا۔ چپ چاپ کمرے میں دروازہ
ہو گئے۔

گھٹ کے نکلا ہے مری آہ پریشان کا دھوان
آج زلفوں میں وہ آرا کش خم دیکھتے ہیں (غزنی)

باب

یوں ہی اس کو بچے کے پھیرے میں مری تقدیر
جس طرح گردش قلم کو رہتی ہے تصویر میں (نکیر)

رہائی

گذشتہ واقعات کو ڈیڑھ ماہ گذر چکے ہیں۔ جو مکہ ہمارے ناول کا ہیرو (ظہر حسین) بہتر
پارسی پر نظر آتا ہے۔ ان نہایت بے چینی سے گزارا کرتا تھا اور کو تو ال صاحب
اس سے ماہوں پہلے ہی اس کی سبقت کرتے رہے مگر کوئی تازہ واقعہ قابل ذکر پیش نہ
آئے۔ خدا خدا کر کے چارہ گرون کی توجہ اور کسی کے جذبہ
آہستہ آہستہ اس کی پیروی چہرہ پر قدرے لہو کی سرخی دھڑکنے لگی۔ ہاتھ پیروں
اور نور جوان کی خیالی تصویر پر نے کہا آؤ بڑے خدا بچھے ان خالوں کے بچم
سے جذبہ چھڑاؤ ایک آہ سر پھینچی۔ مندرسات کی چیزیں پوشیدہ طور پر جیبوں میں رکھیں
اور ایک سا دھوکا بھیس بد لکھ روانہ ہوا۔

ڈیڑھ ہونے آفتاب کی زرد زرد شعاعیں عالیشان مکانوں کی بلند دیواروں پر
سنہریکا پوڑے پھیر رہی تھیں کہ ہمارا نوجوان سا دھوکہ جک میں دکھائی دیا ہائے حزن بھی

کیا چیز ہے۔ پچھلے ہوئے گیر وے لباس پر بھی لوگوں کی نظریں اسکی جانب پڑی جاتی ہیں۔ شعر۔

مکلف سے بری ہے حق ذاتی،

قبائے گل میں گل بوٹہ کہاں ہے

یہ بے پرواہی سے اکبری دروازہ کی طرف جارہا تھا کہ ایک چودہ پندرہ برس کی لڑکی سیاد برقعہ اوڑھے ہرن کی سڑک سے نکلی ساتھ ہی ایک فحور آہمی بھی اُس کے پیچھے کہتا ہوا بڑھا۔

ادھر بھی دیکھ لے اور جان لے ترچھی نظروں سے

بہت شہرت مٹی ہے ہم نے ظالم تیرے پیکان کی (ظفر)

مگر لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سا دھو صاحب کو کچھ تشبیہ ہوا اور اُس کا تعجب کیا۔ وہ فحور شخص بھی ساتھ ساتھ چھینٹا ہوا چلا جاتا ہے۔ اکبری دروازہ کے قریب پہونچ کر اُس لڑکی نے چاروں طرف دیکھا اور جلدی سے بائیں ہاتھ کی طرف نکلی مین ردانہ ہوئی چارے سا دھو صاحب تو دس بارہ قدم پیچھے تھے مگر وہ حضرت (فحور) فوراً دوڑ پڑے چند قدم بڑھ کر وہ لڑکی رُکی اور بوجھا۔ "تم کون ہو اور کیا جانتے ہو۔"

فحور۔ بس میری دلی تمنا یہ ہے کہ تم اس نظر لہی صورت مجھے دکھا دو۔

برقعہ پوش لڑکی۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کون ہوں۔

فحور۔ تمھارے نام اور سکونت سے تو

کرہ کی رہنے والی ہو۔

لڑکی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

اور بڑھا دیا تھا نہایت بے پرواہی سے ترھل رہا تھا۔

یعنی بار بار چھڑانے کی کوشش کرتی مگر کامیاب نہ ہوئی آخر اُس نے دامن کر لیا۔

اگر انی جان عزیز ہے تو مجھے چھوڑ دو۔

فحور۔ ایک تہمت لگا کر اکلانی تو چھڑانہ سکین جان سے کیونکر مارو گی۔ یہ کہلانی طرف کھینچا

تھاب لٹا جا ہی کہ سر پر ایک ڈنڈا پڑا۔ اسے مار ڈالا کی صلا آئی اور جیکر اکر ڈھیر ہوئے

لڑکی نے پلٹ کر دیکھا تو چارے سا دھو صاحب مسکرا رہے ہیں۔ ایک منہ خیر نگاہ ڈالی

کچھ دیر خاموش رہ کر کہنے لگی۔

برقعہ پوش لڑکی۔ میرے محبت آپ نے ایسے وقت مدد کی ہے کہ میں امداد کے واسطے ایک خاص سبب سے پہنچ بھی نہ سکتی تھی۔ لہذا آپ مطلع فرمائیں گے کہ میں کس نام سے اپنے احسان کرتے واسے کا شکریہ ادا کروں۔

ظفر حسین۔ سادھو دیکھا نام اور پتہ ہی کیا لیکن میں نہایت ممنون ہوں گا اگر تم اپنا واقعہ بیان کر دو۔

لڑکی نے یہ سن کر پھر گردن اونچی کی غور سے دیکھا اور کہنے لگی۔

چھپائے سے چھپیکا خون عاشق کس طرح قاتل

گواہی حشر میں دیکھا لہو دستِ خانی کا

خیر مجھے آپ کے حالات پہ مجھے کاکوئی حق نہیں اور میرا واقعہ بھی آپ کا چشم دید ہے افسوس کہ زیادہ ظہر نہیں سکتی۔ معاف فرمائیے گا۔ مجھے اُمید تھی کہ بہت جلد آپ سے ملاقات ہوگی۔ پھر لکیری دروازہ کی طرف روانہ ہوئی۔

ہمارے سادھو صاحب اس غمور ہے ہوش آدمی کے پاس سے علیحدہ ہو کر بٹریک پر آئے اور غور و فکر میں غوطہ لٹکانے لگے کہ یہ لڑکی کون ہے۔ افسوس صورت نہ دیکھ سکا۔ بحر حال دلا سے اسے تعلق ضرور ہے مگر اندر سے لوگ کس قدر قیامت شناس ہیں میری صورت غور سے دیکھ کر شعر پڑھنا صاف جلا ہے کہ مجھے پہچان لیا۔ آپ کے حالات دریافت کرنے پہ مجھے کوئی حق نہیں ہے صاف کہہ دیتا ہے کہ تعجب سے آگاہی تھی۔ اچھا تو مجھے اس کے ساتھ جانا چاہیے یا نہیں؟ اس کے بعد آنکھیں بند کیں اور تھوڑی دیر غور کر کے اکبری دروازہ کی طرف یہ بھاڑا روانہ ہوا۔

اب وہ وقت ہے کہ آفتاب نے گوشہ مغرب میں مٹھ چھپا لیا ہے اور تاریکی نے تمام ذہا کو سیاہ برقعہ اڑھا دیا ہے۔ ہمارا ہیرو ہر چیز کو بہ نظر غور دیکھتا ہوا اجلا جا رہا ہے غلام حسین کی پلٹے لوٹنے کے بعد اس لڑکی نے چار دن طرف دیکھا اور رستم لکیری طرف روانہ ہوئی۔ یہ حکم کہ قریب درگاہ ایک عالیشان مکان میں جلی کی ماری کی طرح چلنے سے ہمارے سادھو صاحب حیران رہ گئے۔ یہ ایک عجیب خیال آیا اور اس مکان و باغ کے سامنے والی مسجد کے در پر بیٹھ کر گئے والباسن اہمارا اندر کے خالی کونٹ اور برص کی باقاعدہ سنبھال کر کہنے خبر نکالا۔

میدان بین گڑھا کھود کر اس گروہ لباس کو وہیں دفن کیا برقی لباس سے صحن مسجد کی زمین
بغور دیکھی گئے لگا اس زمین پر کو نقش یا نہیں معلوم ہوتے غالباً اسے والے مکان میں
لگی ہے یہ کھدکھانک کے قریب ہونچا دیکھا دربان نہایت ہوشیاری سے ٹہل رہا ہے فوراً
ایک روپیہ جیب سے نکال کر زمین پر پھینک دیا آواز نے دربان کو متوجہ کیا۔

دربان۔ آپ کی جیب کا کچھ گر گیا ہے۔
ظفر حسین۔ آواز تو میں نے بھی سنی مگر روشنی کہاں کہ معلوم ہو سکے۔

دربان۔ آپ ایک منٹ ٹھہر جائیں میں لائٹیں لاتا ہوں۔
ٹھوڑی دیر بعد اللہین واپس آیا۔ تلاش ہونے لگی۔ وہ لڑکے کے قریب کی زمین پر ایک
چھوٹے سے چٹکان نشان تھا وہیں روپیہ بھی مل گیا۔ دربان کا شکریہ ادا کر کے یہ روانہ ہوا
اس کو ٹھکی گئے گرد باغ ہے جس میں مختلف مسودہ حالت کے درخت ہیں چاروں طرف چار۔
دیواری محیط ہے۔ ظفر حسین چار سائٹری سو بچر ہو گیا۔

دیوار کے چاروں طرف گھوم رہا ہے۔ جانب جنوب ایک مقام پر دیوار کچھ شکستہ تھی
اس سے سم اندر گزرتے قدم آگے بڑھایا اور کچھ دور ایک درخت کے نیچے پہنچ گیا۔ ابھی چند ہی
منٹ پہلے گئے جیسے کچھ لڑکے ایک پرچہ کو زمین گرا۔
برقی ٹیمپ روضہ کے کچے پڑھا۔ لکھا تھا۔

مستر ظفر حسین۔ چو کہ آسپاس میرے محسن ہیں لہذا میں مطلع کیے دیتی ہوں کہ آپ کا
گومراہی صرف میں ہے۔

معاذ اللہ اس خبر سے وہ برقی آگے کیا کہ۔
میں نے غم کے جھوڑے میں اپنی قربانیاں

فورا اٹھا اور کھلی کھلی طرف روانہ ہوا اس کو ٹھکی گئے چھپے۔
دیکھا دینی لڑکی اس سے آگے جاتی ہے۔

لڑکے ہیں جن کو چاہئے وہ روزہ نہ کھائے یا چاہا کہاں۔ فوراً لڑکیاں قریب کی دیوار
کے زریعہ پہنچے پرا در وہاں سے کمرہ کی طرف تھکے تھکے دروازہ بند تھا چال کیا تھینا
مقابل میں پشت کی جانب دروازہ سے ہونٹے پٹا اور دیوار کے نیچے سے روانہ ہوا چند ہی
قدم بڑھا تھا کہ ایک لکڑی پر ہاتھ پڑا۔ اور ساتھ ہی دیوار میں ایک شکاف پیدا ہو گیا۔

اندر قدم رکھنے پر سیدھیان دکھائی دین۔ پہلی ہی سیرھی پر قدم ہرکھا تھا کہ دیوار برابر ہو گئی
 سیدھیان طے کر کے بعد زمین پر سیر پڑا۔ ایک سا تیرہ ذرا ایک سرنگ ملی۔ کچھ دیر ٹھہر کر برقی
 لمپ روشن کیا۔ معلوم ہوا وہ سرنگ بھی ٹھوٹے ہوئی ہے آخری سچے چاندنٹ لہر وہ واسطہ
 طے ہو گیا اور ایک آدھی دروازہ ملا جس میں بہت بڑا پتیل کا قفل پڑا تھا۔ اور کبیرت
 کڑی کے جاسے لگے ہوئے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ برسوں سے دروازہ کھولا نہیں
 گیا۔ کچھ غور و فکر کرنے کے بعد نتیجہ نکلا کہ اس دروازہ سے واسطہ نہیں ہے۔ بعض دھوکا
 دینے کی غرض سے یہ قفل ڈالا گیا ہے یہ خیال کر کے دیوار کو دیکھنا شروع کیا کہ کوئی نتیجہ نکلا
 لمپ کی روشنی سے پھر غور دیکھا تو چوکٹ کے قریب ایک کڑا لگا ہوا معلوم ہوا۔ زور سے
 گھسیٹنے پر ایک آواز پیدا ہوئی اور چوکٹ علیحدہ ہو کر ایک کڑے کا ٹکڑا بن گیا۔ داخل ہونے
 پر ایک چھوٹی سی پختہ سرنگ ملی۔ چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ سرسراہٹ معلوم ہوئی
 لمپ کے دیکھا تو تین سانپ بڑھتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ غور سے دیکھا تو یہ بھی معلوم ہوا کہ
 اس مقام کی چھت۔ دیواریں زمین وغیرہ سب پر اکڑنی کے ہوئے ہیں۔ سانپ
 دیکھ کر قدم ہلک گئے۔ ادھر وہ سانپ بھی بڑھ گئے۔ پھر قدم بڑھایا تو سانپ بھی بڑھے۔ ایتنا
 سخت جی رہا ہوئی۔ قدم کے ٹکڑے کے بعد دیکھے اٹھا سانپ بھی اٹھیں ہوئے۔ اس وقت زور
 خیال پیدا ہونے لگا کہ سانپ مصنوعی ہیں یا اصلی دلاور کے نزدیک یا ان موزی جانوروں کے
 تعلیم دینا مشکل امر نہیں۔ لیکن ہر قدم کی نقل و حرکت پر سانپوں کا بڑھنا اور سرتا کہ
 اس لکڑی کی زمین میں لگائی ہیں۔ جن پر وہاں بڑھنے سے سانپوں کو بھی حرکت ہوتی
 ہے۔ دل مضبوط کر کے قدم آگے بڑھا حسب عادت سانپ بھی آگے بڑھے۔

قریب پہر چکر چکر چلے گا ایک سانپ پر پڑا اور گٹر کر رہ گیا۔ اچانک سے طور پر زمین
 ہر گیا کہ مصنوعی ہیں۔ کچھ دور آگے بڑھ کر دیکھا تو ان سانپ غائب ہو گئے قریب پندرہ گز
 چلنے کے بعد ایک خوشنما دروازہ ملا پٹ کھول کر داخل ہوئے تو ایک کڑے کا چھابڑ محولی ساز
 سامان سے آراستہ تھا۔ اس کڑے کے بعد ایک اور کڑہ ملا جو نہایت سجا ہوا تھا اندھیرے
 کے بعد بات کی نہایت تیز رفتاری روشنی سے آنکھوں میں پیکا چرند مجا دی۔ کچھ دیر حواس
 درست کرنے کے بعد چلے کا قدم ہی کیا تھا کہ دروازہ کھلا اور شمیم ایک کتاب کا تختہ بن گیا
 نور ہوئی صورت دیکھتے ہی عجیب حالت ہو گئی۔ تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ شمیم

نہایت بھروسے میں سے مسکر کر کہا اتنی رات گئے آپ کہاں خیر خدا نے مرد کی آج سبق یاد نہیں ہوا تھا مگر جان ہست مارنے۔ ذرا میرا سبق یاد کروا دیجئے۔

یہ کہہ کر کتاب فطر حسین کے پاس آئی۔

فطر حسین۔ تم میرے قریب نہ آؤ، تمہیں جو کچھ کتاب دہن سے کہو۔

شمیمہ۔ ارا آپ میرا سبق نہ سنیں گے۔ یہاں کے تمام آدمی ٹھٹھائی دے دے کر سبق سننے میں ہن جانتی ہوں کہ اس وقت آپ ٹھٹھائی نہیں لاسکے۔ مگر سبق تو سن لیجئے ٹھٹھائی چھوڑی دے دیجئے گا۔

فطر حسین۔ نہ میں سبق سنوں گا نہ میں کتاب میں ہاتھ لگاؤں گا۔

شمیمہ۔ اچھا کتاب میں ہاتھ نہ لگائیے میں خود کھول کر پڑھتی ہوں آپ آرام کر لیں پڑھکر صحت سننے جائیے۔ جہاں غلط پڑھوں بتا دیجئے گا۔

رنگی ٹھٹھائی مچ کر دیکھا جائے گا میں اور بچوں کی طرح ایسی ضد میں نہیں کرتی کہ بڑا بڑا کر پورے میں نکلیں۔

فطر حسین۔ اچھا میں ٹھٹھا سبق یاد کروں گا مگر پہلے سچ بتا دو کہ خبر جہاں کس مقام پر مقید ہیں۔

شمیمہ۔ بقید کسی وہ اسی مکان میں نہا یہاں آرام سے ہیں۔

فطر حسین۔ مجھے تمہارے کہنے کا یقین نہیں۔ اگر ٹھٹھا کہتی ہو تو ان کے ہاتھ کی تحریر لاؤ۔

شمیمہ۔ خط میں ابھی لا دوں گی مگر سبق یاد کروا دیجئے گا۔

یہ کہہ کر کتاب دلوئی تو فطر حسین نے کہا کہ پہلے خط لکھ لاؤ اس نے ہیٹیکا ایکسٹریخ لقا فہ لکھا کر پیش کیا۔ بفرض احتیاط لقا فہ کو اتھ نہ لگایا کہا اسے چاک کر ڈالو اور تھوہر کھیلوں تو پھر لون گا۔

شمیمہ۔ ہاں اس میں کوئی نجاست ہے سنتی ہوں کہ خشک چیز میں پاک ہونی میں اچھا اگر لقا فہ جس سے ترانہ رکا کا فہمی لیکر پڑھ لیجئے۔ یہ کہہ کر لقا فہ چاک کیا اور کاغذ بڑھا یا۔

فطر حسین۔ (تھپکے ہٹ کر) اسے ابھی طرح چماؤ ڈالو۔

شمیم۔ اللہ ری احتیاط ہمارے مولوی صاحب بھی نجس دباک کا اتنا خیال نہیں کرتے جہلا اسکے اندر نجاست کس طرح بھونچے گی۔ کاغذ فافہ میں۔ لفاظ میری جیب میں۔ آپ کو خوار خواہ خشک ہے رنجیر میں کاغذ بھی صاف کیے دیتی ہوں۔ یہ کاغذ روال سے صاف کر کے اس کے سامنے بیٹیں کیا نظر حسین نے سانس روک کر پڑھا تو ابھی نور جہان کی تھریڑ بھی منجمد لفظ میں اکھا تھا۔

میں نہایت آرام سے ہوں مگر آزادی کی دعا کرتے کرتے منجمد خشک ہوا جاتا ہے

فقط۔ (نور جہان)

خضر حسین۔ کیا تم جواب بھی نور جہان تک پہنچا دو گی۔

شمیم۔ آپ میرے ایمان میں ہر طرح سے راضی ہوں۔ چند منٹ توقف فرمائیے میں کاغذ۔ قلم و دوات لیکر ابھی حاضر ہوتی ہوں۔

یہ لکھ چکی تھی۔ کرو میں تمہاری پاگرا سے غور کرنا شروع کیا میرے آنے کی خبر دلا کر کہہ گئی ہے۔ رہائی کی کیا تدبیر کرنا چاہیے۔ اگر میں قید ہو گیا تو نور جہان کس طرح آزاد ہو سکی بہتر ہے کہ سب تک شمیم رہیں آپس آئے میں یہاں سے نکل جاؤں۔ مگر نور جہان کو یہ لوگ یہاں سے کہیں اور لے جا دیں گے۔ نہ پاسے رفتن نہ جائے مانگ۔ سلسلہ خیالات یہ ہیں تک پہنچا تھا کہ شمیم خط لکھنے کا سامان لیکر آگئی۔ برسرِ فرزند آدم ہر جے آید بکند۔ دولا معاملہ خیال کر کے خط لکھنے پڑ گیا۔

شمیم۔ رات زیادہ آئی ہے سبق اس وقت یاد نہ ہو گا۔ آج کا خط پوچھا کر سو رہوں گی جب تک آپ لکھیے۔۔۔۔۔ میں کتاب رکھ دوں۔ یہ کہہ چکی تھی خضر حسین نے میرے قریب آ کر کھینچ کر قلم لے لیا لیکن دوات کا ڈھکنا اٹھوا ایک انٹر بوناک میں آئی۔ سر جھکا کر اچھیر سنسنائے اٹھے کا قصہ کیا کہ زمین پر گر پڑا۔ وہ معلوم تھی دیر حالت غشی میں رہا۔ آنکھ کھلی تو آپ کو ایک پنک بڑھٹے ہوئے پایا۔

صبح ہو چکی ہے۔ روشنی لڑن کے زیرِ دستہ آفتاب کی شعاعیں آ کر کر کے منور کر رہی ہیں۔ سر تھکے سے اٹھا کر چاروں طرف نظر بچھا۔

خیال اس قدر صاف ہے دل پر بہت زور ڈالا مگر سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اٹھ کر ٹھکانہ پر پہنچا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کوئی راستہ نہ پایا۔ آپ ہی آگیا کہنا شروع کیا۔ کمرے

باہر نکلے گا کوئی دوزخ راستہ نہ پایا۔ آپ ہی آپ کہنا شروع کیا۔ عجیب مقام ہے دروازہ دکھائی
نہیں دیتا روشن دان میں سلاخیں لگی ہیں۔ دیواروں پر استرکاری موجود۔ زمین سنگلاب
مرمر کی چھریں یہاں کس طرح لایا گیا۔ پریشانی خیالات یہاں ایک طرح کی کچھ ننگا پنک
لیٹ کر آٹھ گھنٹیں بند کر رہیں۔ چند منٹ گذرے تھے کہ آہستہ محسوس ہوئی آٹھ گھنٹہ لگا دیکھا تو
شیمیمہ ماتہ میں جا کر کی بیالی بیٹے کھڑی ہے۔

شیمیمہ۔ یہ آپ بڑے دن چڑھنے تک سوتے ہیں میں کئی مرتبہ آئی مگر کیا کو سوتا ہوا پایا۔ دس
بج چلے ہیں۔ کیا رات کا عمل ہے میں کئی مرتبہ اس غرض سے آئی تھی کہ خط لکیر لڑ جان سکرم کر
دے آؤں۔ تو سبق سناؤں۔ آپ اٹھ کر جانے لڑیں۔

ظفر حسین نے خیال کیا کہ قید تو یہی چکی ہوں۔ یہ لوگ جان سے مارنا نہیں چاہتے
وہ خدا جک خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ چاہے میں کیا حرج ہے۔ پلنگ پر بیٹھ کر شیمیمہ سے کہا: بیٹے کھڑا
پانی منہ دھوئے کر لا دو۔

ساتھ ملے جو بی ادب کی آٹھ میں چوکی پر بیٹھ دھوئے کا سامان رکھا ہے اگر حکم ہو تو میں
حاکم کر دوں۔ بغیر کچھ کہے جا کر بیٹھ دھو یا واپس آ کر چاہی عواس درستی ہوئے تھپائی کسل
رہے ہوئی۔ اس عرصہ میں شیمیمہ نے کتاب اٹھائی چند قدم کے فاصلہ پر بیٹھ گئی متوجہ کر کے
کتاب کھولی صفحات پر نظر پڑا کئی کہ چہرہ متغیر ہو گیا۔ گویا دولت کو میں ماتہ سے جاتی رہی
ہائے دی کتاب ہے جس نے کئی آدمیوں کی جان لی افسوس شاہی کسی کے میں رکھی رہی مگر
جنگو تہہ نہ چلا۔ اس واقعہ نے کچھ ایسا برا زور دیا کہ اٹھ کر دیوانہ وار شیمیمہ کی طرف دوڑا شیمیمہ
بے کستی ہوئی بھاگی۔

شیمیمہ۔ اچھا اچھا آپ غصہ نہ دیا میں سبق نہ سناؤں گی کتاب رکھ کے آتی ہوں۔ اگلی
بکے ادب تک ترسانا رہا۔ اس طرف جا کر دیکھا تو بجائے شیمیمہ کے دلاور بیٹھا ہوا منہ دھو
رہا۔

تساہا جوتہ ہی کہا آؤ شرط پھر بچوں پر ناغہ نہ کیا کرو خدا معلوم کیا لیا خیر انہی کہتے
ہیں میں نے اسے ڈانٹ دیا ہے آئندہ وہ کتاب نہ لائے گی کہ تھا راقص شایع ہو جاوے دوسرے
کے میں کھانا چاہا ہوا ہے۔ رات سے تمہیں کچھ نہیں کھایا۔ میں بھی بھوکا ہوں کھانا نہ کچھ
اٹھان سے آئیں ہوں گی۔ یہ آکر ماتہ گزارا پر وہ گڑھ کھایا ایک دو دانہ پیوے ہوئے۔

ہونے پر زمین دوز شیطانیان طین۔ شیطانیوں سے اترے تو ایک کمرہ کا دروازہ دکھائی دیا
ساتھ کرسی پر شمیم بٹھی ہوئی ہے۔ شمیم پر کھانا چنا ہوا تھا۔
شمیم کو دیکھ کر دلاور نے کہا۔

دلاور۔ جب ظہر حسین تھا اس وقت سناہین جاتے تو وہ ان کتاب لیکر کیوں گئیں۔
شمیم۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ سب سناؤں گی اس لیے چلی گئی۔

دلاور۔ وعدہ تو رات کو کیا تھا اس وقت کیوں گئیں۔ اچھا مجھے سبق سناؤ۔

شمیم۔ (کتاب کھول کر) الف سے اٹھا۔ (ب) سے بکری (ت) سے تلی۔

دلاور۔ یہ تو بچہ سنی ہے۔ کل (خ) تک سن چکا تھا اب (د) سے پڑھو۔

شمیم۔ (د) سے دلاور۔ (ذ) سے ظفر۔ (ر) سے رنجیت لکڑ۔

دلاور۔ ارے یہ کیا بکواس لگائی ہے۔

شمیم۔ مجھے تو کل سامون جان نے ہی پڑھایا تھا اب کتاب پر تصویریں بھی بنادی ہیں۔ یہ

لیکھ کتاب دلاور کے ہاتھ میں دیدی واقعی دلاور ظہر حسین کی تصویریں بنی ہوئی

تھیں۔

دلاور نے ٹھانٹ کر کہا جانا ضرور آیا ہوا بھیجے۔

شمیم چلی گئی اور یہ دونوں کھانے میں مشغول ہو گئے۔ بعد فراغت اچھ دھور ہے تھے

کہ ناصر نے اگر سلام کیا۔ یہ وہی گیر والہ باس۔ اچھ میں۔ دست بٹا۔ پیروں میں کھڑاؤں

جوگی بنے ہوئے تھے۔

دلاور کل شمیم کو تم نے کیا پڑھایا تھا ظفر کا املا (ظ) سے ہے (ز) سے۔

ناصر۔ میرے خیال میں تو دونوں حرفوں کی آواز یکساں ہے۔

دلاور۔ یہ آواز سے کیا ہوتا ہے انڈے کے قبل چونکہ الف ہے لہذا الف سے بڑا ظفر کا املا

حرف (ظ) ہے اس لیے ظفر کہہ سکتے ہو (ز) سے بالکل غلط ہے۔

ناصر۔ مطلب ان الفاظ معین کرنے سے یہ کہ بچوں کو حرف یاد ہو جاوین سہا املا میں کہ

سکھانے کی شمیم کو ابھی ضرورت نہیں جس طرح واقع نے (ظ) سے ظفر کا املا معین کر کے

اس کے معنی۔ فتح کے بتلائے ہیں اگر اسی طرح (ز) سے (ذ) ایسا کر کے اس کے معنی ایک

نور جان تا آخر ہر رضی کے معین کر دوں تو آپ کا کیا حرج ہے اس سے شمیم کو بھی سبق یاد

ہو جائے گا اور سطر ظفر کے لیے بھی ایکسا نصیحت ہے۔
یہ سطر ظفر حسین کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا بگڑے ہوئے تیز دیکھ کر اصر تو کر دے چلا گیا
دلاور نے ظفر حسین کو دوسرے کس میں بٹھال دیا۔ اور کہنے لگا۔

”ستر ظفر اس میں خشک نہیں کہ تم ذہن ہو نہ شجاعت اور بہت تم میں کوٹ کو ٹکڑی
ہے۔ مگر خیال تو کرو ابھی تک تم میرا کیا کر سکتے۔ جو کچھ تھا را ارادہ ہو اس سے بگڑا گا ہی ہو سکتی ہے
اختیار میں تھا صبا چاہتا تھا ملاقات کر دیتا جس عقل سے تم میرے خلاف کام کر رہے ہو اسی سے
سوچو کہ تم یہاں مقابلہ کر سکتے ہو کہ نہیں۔ میرا کہنا انوکھا بلکہ سے باز آؤ مع نور جان اس وقت جا سکتے
ہو۔

ظفر حسین۔ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ میں نا تجربہ کار مگر ضدی ہوں تو بار بار اس کے کہنے سے
کیا ناکہ۔

دلاور۔ اچھا میں کل تک کی تم کو دہشت دیتا ہوں۔ کل جواب دینا۔ مگر یہ خیال کر لو کہ وہ جواب تھا
آخری فیصلہ ہو گا۔

یہ کلمہ دلاور کے کے باہر گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ ظفر حسین کی دلی الجھن نے عقل کو کروی
اٹھ کر کہہ دین ٹھٹھا شروع کیا۔ رہائی کی تدبیریں سوچنے سوچنے تمام دن گذر گیا۔ ختم ہوئی مگر کوئی
بات سمجھ میں نہ آئی۔ یہاں تک کہ پھر گھانے کے واسطے چلی ہوئی۔ بعد فراغت دلاور نے
کہا ”میں معافی مانگتا ہوں کہ تم کو کہے ہیں تمہارے سناڑے کا میں ایکسا خاص ضرورت سے شب بھر
کے لیے جا رہا ہوں یہ کلمہ جلد یا تنہائی یا کر پریشان خیالی نے اس کی عینہ مٹو دی۔ یہاں تک کہ
شب کے دن بچ گئے۔ آنکھیں بند کر کے لیٹا ہی تھا کہ روشندان کی طرف سے ایکسا آواز آئی
”آہ خدا معلوم کیا تک جدائی کے صدمات برداشت کرنا پڑیں گے۔ اب دیکھیے کبھی نلا وریاں
سے کس جگہ لیا کر رکھتا ہے۔“ اس آواز نے کچھ ایسا اثر کیا فوراً اٹھا رویشندان کے قریب پھیر پھرتا
کر رہی چڑھ کر دیکھا تو نور جان پلنگ بریٹی ہوئی رو رو کر کہہ رہی ہے۔ (نکلی)

پھر میں تیلیان باقظہ میں نہیں رہتا
عرق آلودہ پیشانی ہے ٹھٹھا اجڑا غریب
ہجوم بیکسی دیاس درجوان گرد و بر سر ہے
کشاکش میں تو ایسا غم بالائے بستر ہے

میں اب خبر کے حالت بیمار ابتر ہے
نفس کی آغوش بند ہوئی ہے کوئی گرمین
ہے مالہ نزع کا ٹھہر میں نہیں نہیں رہتی
بہا کر شک حسرت شمع باہن تو ہوئی رخصت

وہ حالت ہو گئی ہے اس کہ شہر بھی خاکل فشان
 طہر کے ہن جگر کے داغ مگس پاؤ کا مل سے
 فلک پر کشتان یا قبر پر چادر ہو جو لو کی
 چرخ زمیں کی گل ہو رہا ہے صبح ہوتی ہے
 اگلے آدھ روز یونٹن تو جو ہے جان بسپہر
 آخری شہر شکر تپ منیط باقی نہ ہی دیوانہ وار روشن دان کی سلاخوں کو قطرے کی غرق سے دھکا
 دیا تو ایک دلاڑائی اور قریب میز ایک کھڑکی پیدا ہوئی۔ بیتا بانہ دوڑ کر در جہان کے قریب یہ کہتا
 ہوا ہو نچا: "نہ گھبراؤ میں آگیا اب اپنے کراؤ سمجھو۔"
 نور جہان۔ یا الہی یہ خواب ہے یا میں بیدار ہوں۔
 ظفر حسین۔ (جلدی سے) نہیں نہیں خواب نہیں ہے۔ تمھاری بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر میرے
 حواس درست نہیں ہیں۔

نور جہان۔ میں بالکل اچھی ہوں۔ محض تنہائی کی تکلیف تھی۔ یہ لکڑا کھٹہ بیٹھی۔
 ظفر حسین نے مطمئن ہو کر کمرے کی ایک ایک چیز دیکھی دروازے کھولنے کی کوشش کی
 مگر باہر سے بند تھے۔ مایوس ہو کر اپنے کمرے کی طرف بلاٹا تو کھڑکی کے قریب ایک بر جہلا لکھا
 تھا: "بلکٹ کے نیچے سنسی رکھی ہے۔ سنسی سے کیل سپر می کر کے دروازہ کھول لو محض ایک گھنٹہ
 کی جنت ہے۔ دلاڑیاں ہر گاہ!"
 طرز تقریر پہلے سے مشابہتی نہایت غرض ہوا۔ فردا تحریر پر عمل کیا دروازہ کھولا مگر باہر کو دیکھا
 تو وہی کمرہ تھا۔ جہاں وہ لڑکی گئی تھی جلدی سے چپچپے پر آکر جھڑ جہان اس درخت کے درویش بچے کو
 اور اپنے گھر کا راستہ لیا۔ شہر۔

فلک تھرا گیا الجھل پڑی سارے زمانے میں
 یہ کیسی آہ کی آج اسے مریض ناخوان تو نے

(مصنف)

باب

پہلو سے یون وہ لینگے دل کو نکال کے اُت کر کے رہ گیا میں کلیجہ سنبھال کے (زمزم)
 ظفر حسین۔ انشاء اللہ اب بہت جلد کامیابی ہوگی تمھاری وجہ سے میرے حواس قابم نہ تھے

کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کر رہی تھی اس کا کیا نہ کر دے۔
تو رہ جان۔ مگر اکی پناہ جیسا میں دلاور کی رہا تھا کہ تھی اس سے زیادہ اس کو پایا
 وہ وہ مٹا تھا اس کے قصہ میں جین جین کے دیکھنے سے عقل حیران ہوتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ
 اب اسی کی تہ میں زندگی گذرے گی۔ یہ سوئی شمیم اس غضب کی ہے کہ بڑے بڑوں کے اس
 کان کاٹے ہیں مگر وہ میری کی جسم تھویر ہے۔ اس کے کانے کا منہ نہیں کس چال بازی سے میرے
 اس آئی اور دلو کا دیا جب بے ہوش ہوئی اور آنکھ کھلی تو اچھے کواکب سوڑ میں پایا۔ اس وقت
 خیال گذرے کہ میں حالت خواب میں نہ تھی مگر جب معلوم ہوا کہ نہیں ایسا نہیں ہے تو دماغ
 قابو میں نہ رہا اور غشی حاری ہو گئی۔ اب جو آنکھ کھلی تو ایک سچے ہوئے مکان میں تھی پھر پوچھا
 کہ دل کی کیا حالت ہوئی۔ غور کرنے سے معلوم ہو گیا یہ دلاور کی چال بازی ہے اور اس نے مجھ کو
 اس لیے غائب کر لیا ہے کہ تم اس کے خیال سے باز آؤ۔ اس تھویر سے جان بڑا دیر ہو گئی کہ
 خدا معلوم دشمن تھویر سے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اپنا تہہ ہوتا بھول گئی اور تھویر سے بابت
 خیال کر کے پتہ نہیں مارا کر رہنے لگی۔ تھویر دیر بعد وہی طرح کی شمیم آئی تھی دیر تک تو جی
 گریانی رہی اسکو باتیں سناتی رہی۔ اس دغا بازی کو دیکھو میں تو خفا ہو رہی ہوں اور وہ
 کھڑی ہوئی رہ رہی ہے ہاتھ جوڑتی ہے اور کہتی ہے یہی ہے پڑی غلطی ہوئی میں کیا جانوں
 کہ اس شیشی میں کیا تھا آپ ہی نے کہا کہ نوڈر ہے تو مجھ کو بھی معلوم ہوا۔ یہ موالوڈر بھی۔ بڑی بڑی
 چیز ہوتا ہے اب بھی نہ سوچ سکے گا خواہ کتنا ہی طبعی وادار کیوں نہ ہو مگر وہ نہیں ہوئے مامون جان
 نے مجھ کو ایک شیشی لادی تھی اس میں یہ بات نہ تھی دیکھنے میرے کپڑے سوچنے اب تک خوشنوا ہی ہے
 معلوم ہوتا ہے بھویر سے اس شیشی میں کچھ اور سکھایا گیا۔ کچھ بھی ہو یہی تو یہی کہوں گی کہ
 اب نوڈر سے یہ نہیں کہے گا۔ اس سے بہتر عطر ہوتا ہے وہی استعمال کیجئے گا مامون جان نے مجھ کو جندی
 کی جوند کا عطر دیا ہے وہ کہتے تھے کہ اسکو عطر ہرگز جیسا کہ ہیں۔ کیونکہ ہوی آپ تو ماشاء اللہ
 پڑھتی تھی میں کیا دراصل ہندی کو دیا بھی کہتے ہیں یہ باتیں اس نے کچھ اس طریقے سے کہی
 تھیں کہ اگر میں حالت مصیبت میں نہ ہوتی تو ضرور ہنس آجاتی مگر یہاں تو دل پر ہی ہوتی تھی
 سکھ اور غصہ بامیں نے ڈانٹا کہ دور ہو میرے سامنے سے تاس بر بھی نہ مانی اور میرے یہ روئے
 بہت لگی۔ مارا بے جھوٹے ریشی لنگے سے میرا جوہ صاف کر کے لئے لگی یہی ہے بڑا اچھا ہے۔
 مامون جان سے میں نے کہا تھا کہ مجھ کو بھی ایک اسی طرح کا لادیکے تو جواب دیا نہیں ابھی تم سلیم

ہی پہنچو جب بڑی ہوگی تو اس طرح کا جو تہ پہننا۔ کیون بیوی جب آپ بھی میری طرح چھوٹی
 سی تھیں تو سلیم پر پہننے تھیں یا امون جان نے مجھ سے جھوٹ کہا اس کی اس کے بے کلی بات
 پر مجھے بھی مضبوط ہو سکا۔ مسکراتے ہی کو بھی کہ اس کی تشریفات یاد آگئی۔ اور میں نے پھر زور
 سے ڈانٹا اتنے میں ایک سادہ دھوا یا اور وہ بھی شمیم پر خفا ہوا تو وہ بھلا کر چلی گئی۔ میں اپنے
 غم میں مبتلا ہو گئی کہ دیکھیے آپ کیا ہوتا ہے۔ وہاں سے بھی مجھ کو وہ لوگ ایک موٹر پر کہیں اور
 لے گئے۔ موٹر اس تیزی سے جاتی تھی کہ جیسے تیز آندھی میں ایک ہلکا سا پتہ اڑتا جاتا ہو۔ میری
 خاطر بہت کی جاتی تھی مگر مجھ کو کچھ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کے بندہ اچھے مکانات کی سیر کرانی
 جن کو دیکھنے سے عقل دھمک ہوئی تھی۔ مجھے دلا دے ایک دن کہا تھا اظہر حسین ابھی سوچیں
 اگر ان کی زندگی ختم ہو جاوے گی تو بھی مجھ کو رتنا زمین کر سکتے بیکار رہنے کو پریشان کرتے ہیں میرے
 خیال میں واقعی اس کا مقابلہ کنز مشکل ہے یوں تم کو اختیار ہے میں منع نہیں کرتی۔ مجھ سے
 دلا دے بہت بہت کہا کہ میں تم کو کھوں کماں خیال سے باز آؤ مگر میں نے نہ مانا اس پر مجھ کو
 ڈرایا دھمکایا بھی لیکن میں نے کچھ نہ بھکا۔

ظفر حسین۔ جو کچھ بھی ہوا جو ملا دہ کر لیا ہے خدا اس کو پورا کرے گا۔
 نور جہاں۔ میں یہ عورتی کہتی ہوں کہ اس ارادے سے باز آؤ بلکہ جہاں تک ہو سکے خوش
 کر دو۔

ظفر حسین۔ ایک غیبی مدد کا سہارا ہے۔ بھکاری۔ ہائی غیر ممکن تھی اگر وہ پرچہ نہ ملتا خدا معلوم
 یہ لڑکی کون ہے۔ آوارہ بالکل شمیم سے ملتی ہے۔

نور جہاں۔ میں یہ نہیں جانتی کہ وہ کون ہے مگر سب سے زیادہ مجھ پر مہربان تھی غالباً شمیم
 کی بڑی بہن تھی۔

ظفر حسین۔ خیر اگر آئندہ سے اس سے مدد ملی تو بہت اچھا ہے۔ ورنہ دیکھا جاوے گا۔ خدا
 ہماری مدد کرے گا۔

خشب کے نوج بچے ہیں ظفر حسین اٹھ کر باہر آدوں میں خیال کیا کہ چلو سنا ہے اس مقدمہ
 کے لیے کوئی خفیہ پولیس کے ایک بکٹر خیاں سندھ صاحب آئے ہوئے ہیں ان سے ملاقات کر لوں
 یہ سوچ کر اٹھا پڑے ہیں کہ کوئی پولیس۔
 کوڑا ل انیس احمد صاحب دیکھتے ہی گئے گئے۔

کو تو ال صاحب۔ کیے ظفر حسین صاحب اسوقت آپ کہاں۔
 ظفر حسین۔ خیام سندر صاحب سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔
 کو تو ال صاحب۔ وہ ایک کام کو گئے ہیں آتے ہی ہوں گے نہایت ہوشیار آدمی ہیں
 اب دلاور کی غیر نہیں۔ مجھے انوس ہے کہ میں دو ماہ کی وضعت پر جا رہا ہوں کیونکہ میرے لڑکے
 کی شادی ہے۔ انشاء اللہ اس طرح میں دلاور بھی گرفتار ہو جاوے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو میری
 جھبھی بھی ختم ہو جاوے گی پھر دیکھا جاوے گا۔
 ظفر حسین۔ آپ کب سے تشریف لیا لیتا تھا۔
 کو تو ال صاحب۔ بس کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔
 ظفر حسین۔ خیام سندر صاحب کا وطن کہاں ہے۔
 کو تو ال صاحب۔ آٹھ آباد کے رہنے والے ہیں ابھی متعدد بد معاشوں کے گردہ بارہ بنی
 میں گرفتار کیے ہیں۔ نہایت اچھے نسلخ رساں ہیں۔ حکام ان سے بہت خوش ہیں۔
 ظفر حسین۔ تو اب کاسیابی کی امید کرنا چاہیے۔
 کو تو ال صاحب۔ امید ہے۔
 یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ انسپکٹر صاحب بھی آگے۔ کو تو ال صاحب نے دونوں آدمیوں کی
 ایک دوسرے سے تعریف کرتے تعریف کرایا۔
 ظفر حسین۔ میں نے جناب کی بڑی تعریف سنی ہے خدا کرے آپ ہی کی مدد سے دلاور پر
 فتح ہو۔
 انسپکٹر صاحب۔ میں کس قابل ہوں یہ صرف آپ کا حق ظن ہے مجھ کو اس عجیب غریب
 واقعہ نقل اور مقدمہ کی خبر ہو گئی تھی آپ کی رپورٹ ذیل اخبارات کے مختلف مضامین پڑھ کر
 سمجھ گیا تھا کہ معاملہ بہت طیرھا ہے۔ دلاور کا مقابلہ آسان امر نہیں مگر آپ کی کارروائیاں اور
 دیگر بیانون سے معلوم ہوا کہ آپ نہایت ذکی و ذہیر آدمی ہیں۔ کچھ ایسے مقدمہ تھے کہ میں آنے سکتا
 تھا۔ خیر خدا کا شکر ہے سب معاملات طے ہو گئے اب یہاں آیا ہوں دیکھ کر کہا ہوتا ہے مگر آپ ایسے
 ذہین اور سمجھدار آدمی ساتھ ہیں اس لیے کچھ امید ہوتی ہے کہ دلاور کا مقابلہ ہو سکے گا۔
 ظفر حسین۔ انوس ابھی تک میں نے کوئی ایسا کام نہ کیا جس پر فخر کر سکوں نور جان کو فائز
 ہو جانے سے اور بھی پریشان تھا۔

انسیکٹر صاحب۔ اب کچھ مطلب کی باتیں کرنا چاہئیں۔ اچھے گزشتہ گزشتہ۔ پوری
کوشش اس امر کی کرنا چاہیے کہ طلسمی برنج کہاں ہے مجھے معلوم ہوا کہ کوئی نقش آپ کے ہاتھ
آیا تھا اور ہر معاش نے اس کے ذریعے سے غائب کر لیا۔ دلا دلا کر خود اپنی قوت پر ناز ہے وہ
مرتب طلسمی برنج پر قابض ہر سبکی وجہ سے اگر اس کا پتہ چل گیا تو خیال کر لینا چاہیے کہ بس
اب نفع ہے۔

ظفر حسین۔ یہ نقش جسکو طلسمی برنج کی کہی کہنا چاہیے مجھ کو دستیاب ہوا تھا جسکے دو ہندسہ
ہے ہونے کی وجہ سے میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ بعد کوشش کرنے کے بعد صرف طلسمی برنج پر موقوفہ سکا
مگر نہ کہتا تھا اس سے کوئی ضرورت پیدا ہوتی۔

انسیکٹر صاحب۔ خیاب کیا ہو سکتا ہے گزشتہ یا ہنواؤ آئندہ را احتیاطا میری پوری
کوشش کا کرنا چاہیے کہ ناکام نہ ہو۔

ظفر حسین۔ ایک باقاعدہ غلطی دلا دلا کے یہاں ایک لڑکی شہید ہے دلا دلا کر اس پر
بلا اعتماد ہے اپنی پوری قیام گاہ اسی کی سیر کی میں اکثر چھوڑ کر چلا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر
اس سے کچھ بات چیت ہو جائے تو اس کی جا بازی سے بچے رہیں گے۔

انسیکٹر صاحب۔ میں اس کی بابت سن چکا ہوں حتیٰ امکان اس کی جا بازی سے
بچ رہا گا۔

ظفر حسین۔ چھوڑی دیر تک باتیں کرنے کے بعد گھر روانہ ہو گیا۔

انسیکٹر صاحب کچھ دیر تو بیٹھے ہوئے چہا پی گھوڑے دوڑایا کیا پھر کچھ سوچ کر بیٹھے بیٹھے
چار باغ اسٹیشن پہنچے۔ پلیٹ فارم پر ٹرینا شروع کیا گیا مگر کوئی بات حسب دستور نہ معلوم ہوئی
ابوہ کیا کہ باہر نکلیں دیکھا کہ ایک سولہ اسٹیشن کے اس مقام پر آکر کھڑی ہوئی جہاں اول
دوم درجہ کے ٹکٹ ملے ہیں۔ مڑتے ایک سفید برقعہ پوش لائے قہقہے کی عورت آئی

ایک آدمی نے بڑھ کر ایک پرچہ اس کے ہاتھ میں دیا۔ برقعہ پوش عورت نے پرچہ لیا جس
مورٹس سے عورت آئی تھی اس پر وہ آدمی ہنسنے لگا اور سوڑا زور ہوئی۔ عورت پرچہ
پر مٹی ہوئی اس کے بڑھی انسیکٹر صاحب بھی ہوشیار ہوئے اس کے پیچھے ہوئے آئے اور اس قدر چپ
ہوئے کہ عبارت خط ابھی طرح پڑھ سکیں۔ اگرچہ وقت یہ پوری پرچہ کا مٹی لپٹ کر پڑھا
جاسا تھا مگر صرف اس قدر تحریر تھا۔ اور صفحہ ۵۳ جاکر خاک کر ڈالا تو برقعہ پوش عورت صف

پرچہ پڑھ کر جلا ڈالا پڑنا بگڑ جانے والی گاڑی کھڑی تھی عورت نے اسے پکلی کا ٹکٹ لیا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ انسپکٹر صاحب علی ٹکٹ لیکر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

دل میں خیال کرتے گئے۔ اس پرچہ میں کیا راز تھری تھا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ عورت دلاور کے گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ میں ڈراپر قبل پرچہ جاتا تو بری عبارت پڑھ لیتا۔ مگر فیسوس صورت اتنا ہی پڑھ سکا اور صفحہ ۳۵ جلا کر خاک کر ڈالا تو ہونہ ہونہ اس کتاب کے متعلق ہرایت کی گئی ہے۔ دلاور سوداگر صاحب سے پچھن لایا ہے۔

صفحہ ۳۵ میں طلسی بروج کا راز تحریر ہو گا۔ چونکہ دلاور طلسی بروج پر قاضی ہے چاہتا ہو وہ صفحہ جس میں کہ اسکا راز تحریر ہے جلا کر خاک کر ڈالا جائے تاکہ آئندہ کوئی شخص پتہ نہ پائے پھر وہ صفحہ کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر برقعہ پر رش عورت کا میں نے تعجب کیا اور وہ مجھ سے بیشتر بچہ مقام پر پہنچنے کی تو فوراً دلاور کے حکم کی تعمیل کرے گی لہذا پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اتر کر کہہ رہی ہے اور قبل اس کے کہ وہ اس مقام تک پہنچے تب تک اس عورت کا انتظام کر دینا چاہیے اس کے بعد پھر کتاب کی جستجو کرنا چاہیے۔ کچھ سوچ کر حبیب میں ہاتھ ڈالا اور کھپسے ٹپول کر کہنے لگے۔ ”ٹھیک ہے۔“

قریب ایک بجے شب کو گاڑی اسے بریلی پہنچی برقعہ پر رش عورت اتر کر اسٹیشن کی جانب مغرب روانہ ہوئی انسپکٹر صاحب نے بھی تعجب کیا وہ عورت حملہ قلعہ میں پہنچ کر کالوں ہال کے سامنے والے چھانکس پر کھڑی ہو گئی۔ چار دن وقت تجسس آمیز نظر ڈال کر عورت میں داخل ہوئی انسپکٹر صاحب نے بھی پچھا کیا اب وہ عورت ایک احاطہ میں تھی جو پختہ جہاز و بارانی سے محدود تھا۔ یہاں کثرت جنگلی درخت لگے ہوئے تھے اس احاطہ میں جانب شمال ایک اور چھانکس لگا ہوا تھا وہ عورت اس میں داخل ہوئی انسپکٹر صاحب نے بھی تیزی سے تعجب کیا اب وہ عورت ایک بالکل پوشیدہ پختہ عمارت میں داخل ہوئی جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ آدمی تو خیر شاید کسی پائوسٹیشی کا بھی اس میں درخت سے گذر نہیں ہوا برقعہ پر رش عورت ایک صحیح سہیل گئی۔ اس وقت انسپکٹر صاحب نے خیال کیا اس میں سے کوئی پوشیدہ راستہ ہو سکتا اور یہ عورت اب غالب ہو جاوے گی۔ یہ خیال کر کے تیزی سے چھپے اور سچے سے جا کر اسکی گردن دبا لی۔ وہ جلا نا ہی چاہتی تھی کہ انسپکٹر صاحب نے حبیب سے ایک رپڑ کا گنڈا نکالا۔ اور اس کو دبا کر برقعہ پر رش عورت کے چہرہ کی جانب کر دیا جس کی کھلی ہوئی ہوا نے عورت کو

سے ہوش کر دیا۔ فوراً برقی لیمپ روشن کر کے صحنی کو چاروں طرف سے دیکھا زمین سے قریب ترین
 گڑ کی بلندی پر ایک آہنی ٹھکڑی نظر آئی چڑھنے کا کوئی راستہ نہ تھا اس ٹھکڑی کی سپر ہر پیچھے
 ایک پڑاؤ دار میں پیوست تھا جس میں ایک کڑا لٹکا ہوا تھا اس کو بھوکہ کھسٹا تو ٹھکڑی کے
 بٹ کھل گئے اور ایک زنجیر لٹک کر نیچے گر پڑی اسکو کپڑے کر چڑھنے کا قصد کیا تو زنجیر کو جنبش
 ہوئی اور اس زور کا جھکنا پڑا کہ زنجیر اچھ سے چھوٹ گئی۔ جب قصد کیا ہی حالت ہوئی اتر
 انیسٹر صاحب بہت گھبرائے سوچتے سوچتے اس پر سے کوئید کیا تو زنجیر خور اوپر چڑھنے لگی
 انیسٹر صاحب نے اسکو کپڑا لیا اور اوپر ہو چکے۔ ٹھکڑی میں داخل ہوئے تو ایک کڑے میں
 پہنچے اس کمرہ میں ایک ٹھکڑی اور لگی تھی اسکو کھولا تو ایک چھوٹا کمرہ اور نظر آیا یہ کمرہ معمولی
 ساروسا مان سے آراستہ تھا برقی لیمپ سے یہاں کی ہر چیز دیکھ وائی مگر کتاب کا بیج نہ چلا
 ایک الماری باقی رہ گئی تھی اسکو کھولا تو ایک چھوٹا سا لکے کا بیس ملا اس میں نہ قفل تھا اور
 نہ کئی قصد کیا کہ اٹھا کر اسکو بچلوان مگر وہ اسقدر زور پی تھا کہ اسکو جنبش نہ ہوئی۔ خوب غور
 سے دیکھا تو کس کے داہنی جانب ایک بیج لٹکا تھا اسکو کھلایا تو ایک آواز آئی اور بیس کھل گیا
 دیکھا تو کتاب رکھی ہوئی ہے۔ خدا کی بناء اس کتاب کو دیکھا کہ انیسٹر صاحب کو جو خوشی ہر
 دھڑکتی رہی دل تصور کر سکتا ہے جس کو طلسی بیج کے سے خزانہ کی مثل کی مسرت ہوا اگر دلاور
 کا خوف نہ ہوتا تو شاید مرگ ہو جانا کوئی عجیب خیالات نہ تھی یہ کتاب تھی تو چھوٹی سی مگر
 حجم قریب ۳۰ اینچ تھا فوراً کتاب اٹھالی اور اس خیال سے کتاب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں سمجھیں
 درجن کر کے کرتے ہوئے باہر کے کتاب نہایت حفاظت سے کوٹ کی حبیب میں رکھ لی خشک
 تیر کی بیج کے لئے سیدھے اسٹیشن پہنچے کھنڈ جانیدالی کا ٹری تیار رکھی تھی فوراً کھٹ لے کر
 سکینہ کلاس کے ایک نہاد درجن میں اس غرض سے بیٹھے کہ یہاں اطمینان سے کتاب کا مطالعہ
 ہو گا۔ گاڑی روانہ ہی ہونے کو تھی کہ درجہ کا پٹ کھلا اور ایک ٹھکڑی اچھ میں طوطے کا بیج
 لیے ہوئے داخل ہوئی انیسٹر صاحب کچھ کہنے ہی کو تھے کہ گاڑی روانہ ہوئی ٹھکڑی کو دیکھا کہ طوطہ
 سے بچان لیا کہ غمیمہ ہے دل میں کہنے لگے خدا خیر کرے ٹھکڑی انیسٹر صاحب سے ایک لفظ بھی
 نہ بولی اور اگر رائے دلائے پڑے ہر نہایت خاموشی سے بیٹھ گئی۔ گاڑی تیری سے جا رہی تھی
 انیسٹر صاحب نے خیال کیا اس کے ہاتھ میں طوطا ہے یہ اس سے کوئی نہ کوئی حرکت موزور
 کرے گی جب گاڑی چار اسٹیشن پہنچ گئی تو ٹھکڑی نے کہا۔

مناں فرمائیے گا میں نے آپ کو پہچانا تھا یہ کہہ کر سہوہ بانہ سلام کیا اور کہنے لگی: آپ میرے طرف سے کوئی کی طرح کیوں ہرگز ہے ہین وہ کوئی جاندار تھوڑی ہے۔

انسپیکٹر صاحب۔ (دل میں) یہ بلا کہان ساتھ ہو گئی خیال کیا تھا کاٹری میں تنہا بیٹھ کر اطمینان سے کتاب کا مطالعہ کروں گا۔ مگر آج اس کو بھی حکم دینا چاہیے یہ بھی یاد رکھ کر کسی کا سامنے ہوا تھا۔ تھا لا نام کیس ہے۔

لوٹ کی۔ ماموں جان نے کہہ دیا ہے کہ جھوٹا بولنا گناہ ہے اس لیے نام چھپانے سے کیا فائدہ میرا نام شمیم ہے۔

انسپیکٹر صاحب۔ کیا اپنا طوطا ہم کو دکھاؤ گی۔
شمیم۔ جی ہاں شوق سے ملاحظہ فرمائیے اگر اس کا ایکسا پر دیا کیے گا تو یہ لوٹنے لگے گا۔

انسپیکٹر صاحب۔ ہاں بھئی لاؤ کھین کیونکر لوٹتا ہے۔
لوٹ کی نے بیخبرہ ہاتھ میں دیدیا اور خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ انسپیکٹر صاحب نے کھڑکی کھولی اور پرچہ باہر پھینک کر کہنے لگے۔

انسپیکٹر صاحب۔ لو بھئی وہ تو مع بیخبرہ کے آ گیا۔

شمیم۔ (جذہ پشانی سے) جانیر سیکھے ہوئے کو وہ تھا ہی کس کام کا اتنے میں دروازہ کھلائی۔ ٹی۔ سی۔ ٹھہ من سگار دہانے ہاتھ میں قینچی اور نوٹ بک لیے درجہ میں داخل ہوا۔ آتے ہی انسپیکٹر صاحب سے ٹھٹ مائکا جو جگہ کر کے واپس کر دیا گیا۔
جب لوٹ کی سے ٹھٹ مائکا لوٹنے لگی میرے پاس نہیں ہے۔

ٹی۔ سی۔ سی۔ تم کس کے ساتھ ہو۔

شمیم۔ (انسپیکٹر صاحب کی طرف اشارہ کر کے) میں ان کے ہمراہ ہوں۔

ٹی۔ سی۔ سی۔ (انسپیکٹر صاحب) اس لوٹ کی کا ٹھٹ عنایت ہو۔

انسپیکٹر صاحب۔ جناب یہ لوٹ کی میرے ہمراہ نہیں ہے اس کو اپنی حفاظت میں رکھو یہ نہایت پر معاش لوٹ کی ہے۔

ٹی۔ سی۔ سی۔ نے نوٹ بک کھال کر لوٹ کی سے ڈانٹ کر پوچھا کیوں بتائی نہیں کہے ہمراہ ہے تیرا کیا نام ہے۔

شمیم میرا نام شمیم ہے کھڑے لے مین مامون جان کے ہمراہ آئی تھی وہ مجھ سے خطا ہو کر کہیں چلے گئے۔

ٹی۔ ٹی۔ ٹی۔ تیرے مامون کا کیا نام ہے۔

شمیم۔ مامر وہ دلاور کے ہمراہ رہتے ہیں مین انھیں کے کوکر ہیں۔

دلاور کا نام سنتے ہی۔ ٹی۔ ٹی۔ ٹی۔ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جسم مین لرزہ پڑ گیا۔ انسپکٹر صاحب کے پاس بٹھ کر کہنے لگے۔

ٹی۔ ٹی۔ ٹی۔ سبھ مین نہیں آکر یہ لڑکی ٹھیک کہتی ہے یا غلط۔

انسپکٹر صاحب۔ لڑکی بالکل ٹھیک کہتی ہے یہ اسکے گرمہ مین شامل ہے۔

ٹی۔ ٹی۔ ٹی۔ تم کہاں جا رہی ہو۔

شمیم۔ مین چار باغ اکٹیشن پر اتار دیں گی سوٹر پر بٹھکر گھر چلی جائیں گی۔

ٹی۔ ٹی۔ ٹی۔ کے ٹیچر مین سگڑ ہے جس کا دھوان برابر انسپکٹر صاحب کی طرف بھڑکھا جا رہا

ہے۔ انسپکٹر صاحب کے ہاتھ پیروں مین سنسنی شروع ہوئی خیال کیا غضب ہو گیا۔ یہی دلاور سے

خبر آجیب مین ہاتھ ڈالکر سیٹر لے لیا لانا چاہا۔ مگر جلسہ نہ ہوئی اٹھنا چاہا پیروں مین قوت نہ رہی

کچھ کہتا تھا زبان مین قوت گویا نہ رہی۔ صرف قوت سامعہ اور اصرہ ہی ایسی تھیں جو باقی

راہتھیں۔

ادھر ٹی۔ ٹی۔ ٹی۔ صاحب نے ایک فقہہ لکھا یا اور کہنے لگے۔ ٹیچر انھیں دلاور ہمارے

ساتھ ہے اگر مین چلے سے یہ ترکیب نہ کرنا اور آتے ہی تم کو یہ حس بنانے کی کوشش کرتا تو

ممکن تھا پہچان کر پکڑ لیتی تہہ پیر کرتے انسپکٹر صاحب بالکل خاموش بیٹھے تھے صرف چہرہ کا

اُٹا رہا تھا اول کے خیال ظاہر کر رہا تھا۔

دلاور۔ عجیب دلگی ہے ایک ٹی۔ ٹی۔ ٹی۔ میرے پیچھے پیچھے ٹکٹ چک کر ہوا آ رہا ہے۔ کیا

دلچت آتا ہو گا جب وہ ٹھوٹوں کو لٹا ہوا دیکھتا ہو گا۔ مشر شام سندر کیا مین اچھا۔ ٹی۔ ٹی۔

سی۔ نہیں ہوں۔ ابھی تک گاڑی مین صرف پانچ آدمی بیٹھ گئے تھے جن مین سے چار

آدمی تہہ ہوسے کہنی کر دے کر دے رہے تھے کیونکہ انھوں نے عمداً ٹکٹ نہیں خریدی تھیں جن کا

نام مین نے نوٹ بک مین درج کر لیا ہے۔ اور ایسا آدمی واقعی بہت نادار تھا وہ کچھ نہیں

فراموش کی غرض سے چار ہے۔ یہ چار کے پاس آنا بھی نہ تھا کہ ٹکٹ خرید سکتا مین نے

پشیدہ طور سے اُسکو کچھ رقم دی ہے اگر وہ ایسا اندری اور قاصد سے صرف کرے گا تو ایک مدت تک گھر بیٹھے کما سکتا ہے۔

مشرقیام سدر یہ سگار چکے دھوئین سے نکلنے پھر کی صورت بنا رکھا ہے خاص دلاور ایجنسی میں تیار ہوتا ہے اس کی نمبا کریم ایسے اجاب اجزا ترکیب ہیں کہ بچے دالے کا داغ نہایت فروزا رہتا ہے ہاں اس کا دھوان بیشک ایک چالاک آدمی کو بے حس بنا دیتا ہے یہ کوئی معمولی سگار نہیں بس یہ خیال کر لو کہ سولے دلاور سے اگر کسی کے پاس نہ پادگئے یہ میری ہی ایجاد ہے۔ اس میں کیا ابھی نصف ہے کہ دھوئین سے جتنے ہونے اس کے لکڑی نے جان آدمی کے چہرے پر ہونے لگے پھر دگر دوش کی بات پیر بالکل بے حس ہو جاتے ہیں زبان تک گزرائی سے قاصر رہتی ہے بلکہ میں تم کو یوں سمجھا دوں کہ اس کا دھوان کچل کا ایک کرٹ سے جو دماغ سے جڑا ہوا ہے دپے میں اتار کر جاتا ہے۔ شاید تم سوچ رہے ہو کہ میں خود سگار پی رہا ہوں اور اس کا اثر پھر کچھ نہیں ہوتا بات یہ ہے کہ جب تک دھوان پھر دیر ہوا میں قائم نہیں رہتا اثر نہیں کرتا۔

امید جو یہ میں دھوان دیتے تھا اسے چہرہ کی طرف چھوڑ رہا تھا اگر تم میری اور میری کسی گفتگو اس قدر غور سے سن رہے تھے کہ اپنا کچھ ہوش ہی نہ رہا جب دھوئین سے پڑا تو کہہ لیا تو تم کو خبر ہوئی۔

اس سگار میں ایک خاص بات اور بھی ہے۔ اگر نہ جانے والا اس سگار کو بچے تو فوراً چکے اسی وجہ سے میں نے تم کو بھی نہ دیا۔ مگر بدھند بیا نہ خیال کرنا میں کسی کو ہلاک کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ وہی ہسپتال جک تو تم نے میرے ہلاک کرنے کے واسطے جیب سے نکالنا چاہا تھا اسی سے بھار بھارتیہ کر سکتا ہوں۔ ہاں تو سگار پینے کی ترکیب یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے دھوان فوراً کھینچ کر نکال ڈالو سگار پینے کے بعد ایک بوتل لینڈ کی پی ڈالے پس پھر کچھ نہیں میں آج سوچ کر کہتا ہوں اس کے پینے کے بعد دماغ اس قدر فروزا ہو جاتا ہے اور طبیعت کو وہ فرست اور خوشی حاصل ہوتی ہے جتنی تم کو اس کتاب کے پلنے کے بعد ہوئی تھی جو تمہارے کرتے تھے کی جیب میں ہے اب تم خود اندازہ کر سکتے ہو کتنا نایاب سگار ہے۔

بڑی شہیدہ اس کے کھانا کی جیب سے کتاب نکال کر اس طرح کہہ کر پھر پھینک دینے والے تھے شہیدہ شہیدی ہوئی تھی اس کتاب میں کمال لی۔

انسپیکٹر صاحب کے ہاتھ پر دن میں تو جس نہ تھا اگر تلمیسی لہجہ کا سا خزانہ جیب سے نکلا جاتا ہے۔ غصہ سے دل کا خون گھولا اور سرخی ہنکر چہرہ پر نمودار ہو گیا۔
 ولاور۔ انسپیکٹر صاحب واقعی دلدار نے اپنی عمر میں آج دھوکا کھایا تھا وہ بھی ایک بیوقوف عورت کی وجہ سے اگر کچھ حرج نہ ہوا اگر میرے آرام میں خلل پڑا۔ سو مجھ کو معلوم ہوا کہ تم بغتہ دیش کے واسطے معین کیے گئے ہو۔ جیب تم کو والی سے نکال کر خبر لگئی تھی، اگر تھکا چار باغ آنا اس وقت معلوم ہوا کہ حیثیت تم رائے برٹی ہو رہی چکے تھے بلکہ خاندان اس کیس کھولنے کی تیاری سچ رہے ہو گئے جس سے کتاب نکال کر لائے ہو۔ کیونکہ تم کتاب لیکر رائے برٹی کے اسٹیشن پر تین گھنٹہ میں پہنچے تھے۔ بس اسی وقت میں لکھنؤ کے موٹر پر سوار ہو کر رائے برٹی پہنچا۔ لکھنؤ سے رائے برٹی ۲۹ میل ہے موٹر بالکل معوی رفتار سے آئی۔ یوں سمجھو کہ ۴۰ منٹ میں ۲۹ میل چلی۔ یعنی فی منٹ ایکس میل ۵۶ اگر مسافت طے کی۔ میں یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ کتاب تم کو مل گئی ہوگی اور تم لکھنؤ آنے والی ٹرین پر ملو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
 تم نے مجھ کو سخت تکلیف دی لیکن چونکہ یہ پہلی غلطی ہے اس لیے معاف کرتا ہوں۔ گاڑی اسٹیشن پر پارک کی آئی ہے اب اگر اسٹیشن چار باغ کا ہے گاڑی تین منٹ میں لکھنؤ پہنچے گی۔ دو منٹ کے بعد کھارے داغ پر بھی اثر ہوگا اور پانچ منٹ تک بالکل بے ہوش رہو گے اس حساب سے لکھنؤ کے اسٹیشن پر ۴ منٹ تک گاڑی میں آرام کرتے رہو گے اور میں اس عرصہ میں کس قیام گاہ تک پہنچ کر آرام سے لیٹا ہوں گا۔
 انسپیکٹر صاحب تم کو یہ امنوں ہونا چاہیے اور خوش ہونا چاہیے کہ تم کو بڑی رحمت سے بچاؤ کیا فائدہ تھا جو تلمیسی لہجہ تلاش کرنے۔ خدا معلوم کیا ہوا کیا نہ ہوا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو خود تلاش کرنے میں سیکڑوں مشکلیں بڑی تھیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ سوداگر صاحب کی روح کو بڑھاد ہونا انھوں نے یہ کتاب میرے پاس امانت رکھوائی تھی تم امانت میں خیانت کر نیو لے کر۔

ظفر حسین سے کہہ دینا کہ میں تمھارے ساتھ بھی سختی سے بڑا ڈکروں گا انسپیکٹر صاحب باغوش بیٹھے ہوئے سُن رہے تھے کہ آکھیں بند ہونے لگیں اور غشی طاری ہو گئی۔
 ہو کہیں بند مری منظر آکھیں افسوس
 مجلس شوق میں کون آج سے ساتی ہوگا (عزیز)

باب

شکستہ ہو کے اب تازہ نظر بھی آئے تھے پھر ان
(درا) پریشان کیا ہلکے کو نچے جا کر گریبان ہے

(زبیدہ)

اسی طرح شام سندر صاحب کی آنکھ کھلی گد شکستہ ملاقات خواب سے نظر آئے گئے۔
تا تھیر وں میں قدر سے کڑی باتی تھی۔ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد ٹرین سے اتر کر
اسٹیشن کے باہر آئے۔ ملائکہ پر پہنچ کر کوڑا لی ہو رہے۔ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے آتے ہی سو گئے
قریب گیارہ بجے دن کو آنکھ کھلی حمام کیا جا رہا تھا کہ کرسی پر پہنچ کر کچھ سوچ رہے ہیں کہ
ظفر حسین آگئے۔
ظفر حسین۔ میں جمع سے دو مرتبہ حاضر ہو چکا ہوں مگر آپ کو سوتا ہوا پا پا بسیدہ نہ مل سکا۔

اسی طرح صاحب۔ جی ان کیا عرض کر دن رات بھر جاگنا پڑا۔
ظفر حسین۔ کیوں خیریت تو ہے آپ کا چہرہ بہت متغیر معلوم ہوتا ہے۔
اسی طرح صاحب نے برقعہ پوش عورت کا تعقیب کر لے کر رائے بریلی پہنچا۔ کتاب کا سہارا
ہو تا شمیم کی ملاقات۔ دلاور کی چالبازی۔ سب واقعہ بیان کر دیا۔
ظفر حسین۔ یہ کینٹ دلاور بلائے آسانی کی طرح نازل ہو جاتا ہے گویا ساتھ ہی ساتھ
رہتا ہے۔

اسی طرح صاحب۔ افسوس اس امر ہے کہ مجھ کو بالکل وقت نہ ملا کہ کتاب کا ایک صفحہ بھی
دیکھ سکوں۔ تھوڑا دیر میں اسی غرض سے بٹھا تھا کہ اطمینان سے کتاب پڑھوں گا مگر وہ
بلائے جان شمیم آگئی دل میں آتا تھا کہ اٹھا کر کاڑی کے باہر بھیج دے مگر واقعی چہرہ پر ہنس
کھولا ہے کہ دیکھنے والا کبھی یقین نہیں کر سکتا کہ لڑکی اس قدر فطرتی ہے۔

ظفر حسین۔ ہلاکی لڑکی ہے آپ نے طوطے کا بھروسہ کیا اس کو بالکل افرہ ہوا جانتی
تھی کہ دلاور تو ہوا ہے۔

انسپیکٹر صاحب۔ قدم قدم پر مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ مجھے ایک غلطی ہوئی اگر میں لگا
تھا تو بڑے ایسی جگہ بیٹھتا جان اور لوگ بھی ہوتے تو اچھا تھا مگر کیا خبر تھی کہ دلاور ساتھ
ساتھ ہے۔

ظفر حسین۔ میں آپ کے پاس ایک اہم کام کے واسطے حاضر ہوا ہوں میرا خیال ہے کہ آپ
کا بیانی بہت حلیہ ہوگی۔

انسپیکٹر صاحب۔ (بیانی سے) جلد فرمائیے۔

ظفر حسین۔ اندر رک میں چلیے۔

دونوں آدمی اٹھے اور کمرے میں داخل ہوئے۔ ظفر حسین نے جیسے ایک خط نکالا مگر
انسپیکٹر صاحب کو دیا۔ جس میں تحریر تھا۔

ہر ان ظفر حسین صاحب اعلیٰ۔

کاشیتہ ہوئے ہاتھ سے لکھ تو کہی ہوں مگر دیکھیے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے راقم وہی ہے
جس کا پتہ آپ نے ابوری دروازہ کے قریب ایک ہر معاش شکاری کے چنگل سے رہائی دلائی تھی۔ میں

اس احسان کی ممنون ہوں۔ گو اس خط کا لکھنا صرف اسی وجہ سے نہیں بلکہ خدا معلوم کہ سنا لیا
میتنا طبیعتی اخیر ہے اور مجبوری واقع ہو گئی ہے کہ دل قابو میں نہیں سلاکھ لاکھ جا رہی ہوں کہ ظفر

رکھ دوں مگر تیار دلی مجبور کر رہا ہے کہ لکھ اور ضرور لکھ۔ میں بد نصیب شمیم کی بڑی بہن
ہوں۔ آپ یقین چاہئے کہ میری طبیعت اور اس کی فطرت میں زمین و آسمان کا فرق

ہے۔ پھر اس کھنڈے سے کیا حاصل مطلب یہ ہے کہ دلاور ایک نہایت سچا اور ذہین آدمی
ہے جب کوئی بات اس کے خلاف واقع ہو تو یہی ہوتی ہے تو گویا اس کو قدرتی طور سے خبر ہوتی

جاتی ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ اس کو الام ہو جاتا ہے مگر انتظام اس قدر باقاعدہ ہے کہ لوہر
آپ لوگوں کے کچھ مفید کیا اور اس کو معلوم ہو گیا۔ بس پھر اسی کے موافق کارروائی کرتا

ہے۔ قدرتی طور پر یہی معمول ہے۔ اس وقت تک اس کو اطمینان تھا مگر اب میں دیکھتی ہوں
کہ دن بھر اس کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے گو اس کو یقین و افسانہ ہے کہ میل کوئی کچھ ناہنہ

سکتا۔ مگر افسانہ واقعات متفق ہو جا رہے۔ اندازاً جو کام کیجئے نہایت احتیاط سے۔ ان شاء اللہ

آپ کو مجھ سے مدد لیلی۔ میں نہایت خوف زدہ ہوں کہ اگر اس خط کے متعلق اسکو خبر ہو گئی تو میری خیر نہیں۔ آج آپ مجھے وہیے شب کو اس مکان میں جہاں سے نور جان کو آپ نے لے لیا ہے۔ مگر احتیاط شرط ہے۔ ملاقات ہونے پر بہت کچھ بتاؤں گی۔ نقطہ راقمہ ہاشمہ

انسپیکٹر صاحب۔ جہاں تک یہ خیال ہے اس میں کوئی جھل و زریب نہیں کیونکہ ہاشمہ ہی کی وجہ سے نور جان کی رہائی ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہاشمہ آپ سے محبت کرنے لگی ہے جسکی وجہ سے مجبور ہو کر خط لکھ رہی ہے۔ اگر میرا خیال ٹھیک ہے تو دلاور پر اب فرج پانا کوئی مشکل امر نہیں۔ خط فوراً جلا ڈالنا چاہیے اور آئندہ اس کے متعلق کچھ گفتگو نہ کرنا چاہیے۔ آپ دہان ضرور جائیے اور جو ضروری باتیں ہوں ان کو دریافت کیجئے۔ جہاں تک ہوشی طلسمی برُج کا راز ضرور دریافت کیجئے گا۔

ظفر حسین۔ اچھا اب میں رخصت ہوتا ہوں۔

ظفر حسین کے جانے کے بعد انسپیکٹر صاحب نے خیال کرنا شروع کیا کہ اگر ظفر حسین سے اور ہاشمہ سے ملاقات ہو گئی۔ اور کوئی آفت نہ نازل ہوئی تو پھر فرج ہے۔ انہیں خیال دینا چاہیے کہ کھڑی بنے جا رہے فوراً اٹھ جائے مین بیلکریکٹور۔ پارک روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے حسین پارک پہنچے تو دیکھا وہی برقع پوش عورت نہایت زود حالت میں ایک بھاری کے کچھ بٹلی ہوئی رو رہی ہے۔ انسپیکٹر صاحب بھی ایک درخت کی آٹھ پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ اسکے قریب پہنچ کر پشت کیا جانب کھڑے ہوئے۔

عورت نہایت دردناک آواز میں آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ افسوس نہ دین کی رہی نہ دنیا کی۔ مجھ سے کس قدر فاض غلطی ہو گئی۔ اس زندگی سے تو اب مر جانا ہی بہتر ہے۔ رولاند جی سے علیحدہ خفا ہے۔ شمیمہ کے امون حد سے زیادہ ناراض ہیں۔ مگر واقعی امر یہ ہے کہ میری سزا بھی ہو چکی تھی۔ اگر بھاگ نہ آؤں تو مجھ کو رہ لوگ مار ڈالنے۔ مگر آپ کیا ہے دلاور میرے ضرور لگا لے گا اور پھر تیرہ دی ہے اس سے بہتر یہی ہے کہ دریا میں ڈوب کر جہاں مردوں نہ لاکھ لاکھ میں نے ہاتھ جوڑے کہ اب غلطی نہ ہوگی مگر ظالم نے کچھ تو نہ کی۔ اگر دلاور کے رازوں سے برس کر سکا کرتی ہوں تو بھی وہ ظالم میرا تیرہ لگا کر مار ڈالے گا اس لیے یہی سنا سب سے جو میں نے سنا ہے۔

یہ کلمہ کھڑی ہوئی کہ انسپیکٹر صاحب سارے آگے عورت دیکھتے ہی سہم گئی اور ڈر کر کہنے لگی: آپ کون؟ پوچھا کہ انیسویں آپ ہی کی وجہ سے میری یہ حالت ہوئی۔ انسپیکٹر صاحب: تم کون ہو۔ میری وجہ سے تم کو کیا نقصان پہنچا۔ وہی عورت: کچھ نہیں اور یہ کلمہ آگے بڑھنے کا قصد کیا۔ انسپیکٹر صاحب: ٹھہرو خبردار آگے نہ بڑھنا سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد عورت اس طرح کہنے لگی: میں یہ جانتی ہوں کہ آپ خفیہ پولیس کے انسپیکٹر خیرام سندر صاحب ہیں میں سب واقعہ بیان کرنے پر راضی ہوں ایک شرط ہے۔

انسپیکٹر صاحب: وہ شرط کیا ہے۔

وہی عورت: میری حفاظت کا فی طور سے کیجئے۔

انسپیکٹر صاحب: میں وعدہ کرتا ہوں تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

وہی عورت: اچھا زنیفے۔ میرا نام زبیدہ ہے۔ میں ناصر کی بیوی ہوں۔ مجھے جو غلطی ہوئی آپ اس سے واقف ہیں۔ یعنی آپ نے میرا سارے بریلی تک تعقیب کیا اور کہا ہے کہ آپ نے میرا وہ کتاب تو دلا دینے آپ سے ملی مگر ٹکڑے تھمت تھادی۔ دلا دیرین تو بھر رحم دل ہے۔ اُس کے گرد وہ ہیں جس سے بھی کچھ غلطی ہوتی ہے تو اسکو مار ڈالتا ہے چنانچہ خاندان میرے ساتھ جی دی سلوک کرتا یہ سوچ کر میں بھاگ آئی اب خیال کرتی ہوں ممکن تھا کہ پہلے تو وہ ملتا بھی کر دیتا مگر اب زندہ نہ چھوڑے گا اس لیے میں نے ارادہ کر لیا کہ خود کشی کر لوں اس قدر سے؟ غلطی تھی کہ آپ آگے۔

انسپیکٹر صاحب: تم اطمینان رکھو دلا دیر بھڑا کچھ نہیں کر سکتا مگر یہ بتاؤ کہ اس واقعہ کا کیا ہے۔

زبیدہ: زبیدہ بین جناح لہو اور جانب مشرق اُس کے ایک کھنڈر سا پڑا ہے وہاں سے ایک پوشیدہ راستہ ہے۔ دلاور کی ایک قیامت گاہ وہ بھی ہے۔ وہیں اس وقت دلاور موجود ہے۔ خیمہ میری بھانجی ہے اس وقت دلاور بالکل تنہا ہے۔ اور صرف خیمہ ہی اُس کے ساتھ ہے وہ بیکار تھا تھک بھرا ہو گیا ہے اُس کے چہرے چلے ہیں۔ سب ایک مرحلہ پر میرا آواز آگئے ہوئے ہیں اور غالباً اُن کے خیمہ تک سب واپس آ جا رہے تھے۔ دلاور کو کبھی کبھی دیر کا اس قدر سخت

دورا اٹھتا ہے کہ اس کی تنگیب حالت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسوقت اسکو وہ دورا اٹھائیں گے
دل میں خیالی کیا ہوتا ہے اسوقت یہاں سے بھاگ بیٹوں۔

انسپکٹر صاحب نے جب عورت سے ہر طرح اطمینان کر لیا اور کوئی خطبہ باقی نہ رہا تو
نہایت خوش ہو کر اسکو کڑالی لائے زبیدہ کو اپنے کمرے میں بٹھا لکھ ایک سب انسپکٹر اور دو
کانٹبلوں کو لیکر روانہ ہو گئے۔ یہ خیال کیا کہ دلاور اسوقت بٹھا ہے اور پھر بیکار ایسی حالت
میں اسکو گرفتار کر لینا کیا مشکل امر ہے۔

اسی مقام پر پہنچے تو دیکھا واقعی ایک کھنڈر ہے۔ اسی کھنڈر میں اسین ہاتھ کی طرح
ایک بہت بڑا گولی پتھر دیوار کے قریب رکھا ہوا تھا۔ اسکو بنانا چاہا۔ مگر غش نہ ہوئی۔ پتھر
کے درمیان ایک کیل لگی ہوئی تھی۔ چون ہی اسکو نکالا پتھر کو چکی کی طرح جھنڈ ہوئی اور ایک ٹکڑ
ہٹ گیا۔ ایک غار نظر آیا۔ چاروں آدمی اس میں اتارے تو ایک پختہ سرنگ تھی۔ جہاں
متعدد دشمنین روشن تھیں سرنگ سے سرسے ہر پر غلے ایک دروازہ ملا جسکا پٹ کھلا ہوا تھا
اس میں داخل ہوئے تو ایک کمرہ میں پہنچے جو نہایت تیرہ و تار یکساں تھا جیسے ہی تھکے کہ برقی فیپ
روشن کروں کہ دیکھا سلسلے سے شمشیر ہاتھ میں ایک شمع لئے ہوئے سسکیاں بھرتی مریخی چلی
آ رہی ہے۔ انسپکٹر صاحب پر نظر پڑے ہی چھین مار مار کر رونے لگی۔ دوڑ کر قد میں گر پڑی اور کئے
"خدا کے لئے آپ جیگر گزار نہ کیجیگا وہ اسوقت در سے بہت ہے میں آپ سلامت رہے
وہاں نہ جائیے پھر کڑی ہو کر بچھاؤ میں کھانے لگی اور اس در واک لچہ میں روئی کہ انسپکٹر صاحب
کو بھی ترس آ گیا۔ ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا اور آگے بڑھے۔ مگر شمشیر ناہی ہے اب کی طرح جل رہی ہے اور
کہہ رہی ہے "آپ دلاور کو دیکھ کر گئی نہ مارے گا دیکھئے اچھا ان نے گاڑی میں آ بیو کوئی تعریف
نہیں دی۔ آپ لے ہمارا خطا بھی پھینک دیا تھا مگر ہم نے کوئی شکایت نہ کی۔"

انسپکٹر صاحب ہاتھ پکڑے ہوئے خاموشی سے آگے بڑھے چلے جا رہے ہیں کمرہ
نشاہ تھا سائینہ دروازہ پر ایک نہایت نفیس پردہ پڑا ہوا تھا اسکو ہار کر چوں ہی
قد ہر گھٹا تو دیکھا ایک چھوٹا سا مکان چکی کی روشنی سے سوز رہے شمشیر تو ہاتھ پکڑ کر علیحدہ
ہر گئی۔ انسپکٹر صاحب نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو دیکھا دلاور ایک شاندار کرسی پر بیٹھا ہوا ہے
اگر چیلون کا جمع ہے جو نہایت سو پاندہ کر سیدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی شمشیر کہ
کہہ کہ دہر بار دیا گیا حبیب میں ہاتھ ڈالا کہ استولی نکالوں کہ دلاور نے تھوڑا سا گھبراہٹ

پستول یہاں موجود ہے۔ جیب میں کیوں تلاش کرتے ہو۔ ہم سے تو اسپیکٹر صاحب نے
چاہا کہ باہر نکل جاؤں تو بجائے پردہ کے دروازہ بند پایا۔ چاروں ہمارے آگے بڑھے۔ ایک
آدمی نے اٹھ کر چار کرسیاں لاکر کھدیں۔ بیچارے کرتے کیا خاموشی سے بیٹھ گئے۔ مگر چہرہ
غصے سے سرخ ہو رہا ہے کہ تمہید کہے بڑھی۔ جھاک کر سلام کر کے کہنے لگی: "مہافت کھینکا۔"
ابو سلام تو بڑا بھول گئی تھی۔ اسپیکٹر صاحب آگے کی وجہ سے جھکوز میں پر لوثا پڑا زرا کپڑے
بدل آؤں تو ابھی حاضر ہوتی ہوں۔ یہ کہہ کر چلی گئی۔
دلاور کرسی پر بیٹھا ہوا شمیمہ کی باتیں سن کر اسکا راہ تھا۔ اسپیکٹر صاحب کے غصہ میں ترقی
ہوتی جاتی تھی کہ دلاور نے کہا۔

دلاور۔ مسٹر شام سندرم تم اپنا داغ کیوں پریشان کرتے ہو۔ میں غور تفصیل سے واقعات
بیان کئے دیتا ہوں۔ بات یہ ہو کہ واقعی زبیدہ نے سخت دھوکا کھا یا جسکی وجہ سے میں نے
اس کو سزا بھی دی اُسے قصہ کہہ لیا کہ اسکا بدلہ میں اسپیکٹر صاحب سے لوگوں کی ٹھکر چلی گئی
اُسے بعد جو کچھ بدواہ ظاہر ہے۔ ستم زبیدہ کہ تو اسی نے کئے۔ ان خاص اپنے کمرہ میں جگہ
دی۔ تھیں ان سے دو کالسیٹل اور سب اسپیکٹر صاحب کو لیکر نکل کھڑے ہوئے کہ دلاور تھا
بہار رہا ہے جگر کڑما کر لوں۔ چلتے وقت جب کوٹ پہنا تو زبیدہ نے پشت پر ہی سے کوٹ
کی جیب سے پستول نکالی کیا تھا۔ تم کو جھگڑت کی وجہ سے کچھ خیال نہ رہا جب تم لوگ کوٹوں
سے نکلے تو زبیدہ بھی پیچھے چلی رہا ان سب لوگ سمجھے کہ زبیدہ کو بھی تم لوگوں نے ہمراہ لیا کہ
تم لوگ کوٹوں سے نکل کر انگریز دروازہ کی طرف بڑھے وہ گول دروازہ میں داخل ہوئی
وہاں موٹر کھڑی تھی پٹھک کر بیان تم لوگوں سے قبل ہو چکی۔ سوقت وہ جام کر رہی ہے۔
ابھی حاضر ہو کر معافی مانگے گی۔

ٹھٹھری ویر بید زبیدہ کو دلاور نے آواز دی وہ ایک کمرے سے شمیمہ کے مسکراتی ہوئی
اچکی اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

دلاور۔ مسٹر شام سندرم زبیدہ نے تم کو بہت پریشان کیا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تم کو علم
موسیقی میں خاص دخل ہے زبیدہ بھی اس فن میں کامل ہے شمیمہ بارہونیم بجانے میں فرد
ہے۔ اُس نے بڑی محنت و جانفشانی سے حاصل کیا ہے۔ چونکہ تمہاری آواز ہی کا کچھ
آخری دن ہے اب اسی غریب خانہ میں کچھ مدت تک سکونت اختیار کرنا پڑیگی۔ مجھے فرض

ہے کہ وہ ان کی خاطر گردن۔ یہ تو بھی طرح سمجھ کر ہو گئے کہ میں کسی کی جان کا دشمن نہیں۔ میں
لاکھ لاکھ جا کر تم لوگ میرے خیال سے ادا کر کر نہ مانا اب مجبور ہوں آؤ کار یہ طریقہ
مکا لا اب اگر مجھے کوئی بھی ستائیکا تو اسکو ہمیشہ تیر میں رکھوں گا۔ امید ہے کہ ظفر خدین بھی
بہت جلد تمہارا ساتھ دیں۔

”خوب گذریگی جو مل بیٹھیکے دیوانے دو“

غریب خانہ حاضر ہے حتی الامکان کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ اچھا اب جلسہ ہونا چاہیے
کیونکہ میری تقریر سے تمہارا ہرہ زرد ہونا چاہیے، یہ کہہ کر ایک آدمی کی طرف اشارہ
کیا۔ وہ ایک چھوٹی سی مڑاٹھا کر لایا اور شمیمہ کے آگے لے گا دی۔ پھر ایک ہار نو نیم
اس چھوٹی میز پر رکھ دیا گیا۔

ولاور۔ (زبیدہ سے) انپکڑ صاحب تمہارے بہت شائق ہیں اس طرح گاؤ کو خوش
ہو کر تمہاری خطا معاف کر دیں۔

(شمیمہ سے) ہاں بھی شمیمہ ہار نو نیم اس طرح بجاؤ کہ انپکڑ صاحب خوش ہو کر تم کو
انعام دیں۔

شمیمہ نے مسکرا کر ہار نو نیم بجا نا شروع کیا سبحان اللہ معلوم ہوا تھا کہ کوئی استاد کائنات
انہیں دکھا رہا ہے۔ زبیدہ نے گانا شروع کیا۔ غزل۔

جو اوجڑ آئے ہو دنیا میں اتنی کام کر جانا	ستم سنا نہ اُن کرتا میر طبا اور مر جانا
وہ زینت کر چکے تھے تھا مناسب ہم کو مر جانا	نظر کا غوف تھا لازم تھا آل بد قضا تر جانا
ہم مڑا میسے بس میں تم ذرا اتنا ٹھہر جانا	سحر نزدیک ہو میت اٹھا لینا تو ٹھہر جانا
رہیگا عشق کی دنیا میں نام اُسکا قیامت نک	کہ جس نے ہجر میں مرنے کو الفت کا شمر جانا
عجب خسرت کا منظر تھا یہ دنیا کے محبت میں	نقاب اٹکا اٹھا اور مر بعض غم کا مر جانا
فدا ہو جاؤں میں اس بھروسے کو وقت کر لیں	وہ عکس زلفا شمیمہ طر نام نکلا اور جانا
بر سر کمریہ ابھی کھل جائیگا ڈر تو ہو کیوں اتنا	کہ تم نے اب کو بھی کیا ہمارے ہی چشم تر جانا

زبیدہ نے کچھ اس سربلی آواز میں غزل گائی کہ ہر ایک پر بے خودی کا عالم طاوی
ہو گیا۔ ادا ہو کر انپکڑ صاحب ایک مصیبت میں گرفتار تھے مگر زبیدہ کے باتا وعدہ کانے
اور شمیمہ کے بے مثل ہار نو نیم بجانے نے ایک عجیب اثر کیا۔

دلاور نے کہا شاہنشاہ شمیمہ اسی طرح ہار میں ہم بچائی رہو۔ زبیدہ بس ایک غزل اور گاؤ
زبیدہ نے لکھنا کر کا اشراف کیا۔

رفتہ رفتہ سوز غم سے اک زمانہ جل گیا
باغ میں باد بہاری نے کیا الٹا اثر
میری مٹی میں بھی تھا سوز محبت کا اثر
لے سیاہ پتلی تار راز لہریں بکھا تھا ایسا
دل جگر تک کے توجھنے کی ہیں بھی تھی خیمہ
اسمان پر لکھ ابر مسماہ ہرگز نہیں
اُف ری وحدت ہرین حوس نکلتا ہر دیوان
پھر نہ روکے سے کہیں لے فکر آہیں مجھ میں
یہ غزل زبیدہ نے عجیب تھا رنگ میں گائی شمیمہ نے بھی ہار میں بچائے ہیں اپنا کمال
دکھایا۔ دلاور نے انہیں طرہ صاحب سے کہا۔

والا یہ۔ اب ہم لوگ رخصت ہوتے ہیں انشا اللہ پھر ملاقات ہوگی۔ باہر نکلنے کی کوشش
نہ کرنا سو اسے پریشانی کے کچھ حال نہ ہوگا۔ یہ کہہ اٹھا اور کمرے میں جا کر مع اپنے ہمراہیوں
کے غائب ہو گیا۔

بڑی دیر تک انہیں صاحب بیٹھے رہے پھر مع اپنے ہمراہیوں کے اٹھے باہر نکلنے کی
کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے آخر کار جس کمرے میں دلاور گیا تھا اس کے اندر سب لوگ پہنچے
تو کمرے کے دروازے بند ہو گئے۔ اب اوپر پریشانی بڑھ گئی۔ دل میں سوچ رہے ہیں
مگر خدا یا یہاں سے کس طرح رہائی ملیگی۔ کوساٹنے والی الماری کے پٹ کھلے اور نظر حسین
نہایت پریشان حالت سے کمرے میں داخل ہوا۔

انہیں صاحب دیکھتے ہی خوش ہو گئے اور کہنے لگے "ہائیں آپ کس طرح پہنچ گئے؟"
نظر حسین اہو قسا لگتے لگتے کرنے کا موثقیہ نہیں آپ سب لوگ میرے ہمراہ چلا آئیں۔
سب آدمی اٹھے اماں کی کوکھ لانا ایک دروازہ ملا اس میں داخل ہوئے تو ایک
کوٹھری میں پہنچے وہ کوٹھری سب بوسیدہ پنجہ تھکان میں تھی وہاں سے نکلے تو ایک سیان
میں پہنچے تازی ہوا پارخان میں جان آئی سب لوگ نظر حسین کے یہاں پہنچے تو اطمینان

ہو اور انیسٹر صاحب نے کہا۔
انیسٹر صاحب۔ ہاں ظفر حسین صاحب اس بتائیے آپ فرشتہ رحمت بنکر ہم لوگوں
 تک کس طرح پہنچے۔

ظفر حسین۔ پہلے آپ اپنا واقعہ بیان کیجئے تو میں بھی بیان کروں۔
 انیسٹر صاحب نے زبیدہ سے ملنا اسکی باتوں سے دھوکہ کھا کر دلاور تک پہنچا شہید
 کی چالبازی جلسہ کا ہوا سب تفصیل سے بیان کیا۔

ظفر حسین۔ سینیٹ میں آٹھ بجے رخت کر آئے یہاں گیا۔ وہاں آپکو نہ پایا کو تو لی مین سب اقامت
 معلوم ہوا۔ اتنو میں بہت گھبرا ہوا بجئے کر تھے سیدہ ہاشمہ نے جان سٹنے کا وعدہ کیا تھا وہاں
 پہنچا تو ایک رخت مین سرخ روال بند ہوا کھیار اسکو کھو لا کر کچھ نہ پایا۔ رخت کیے ٹپے
 ایک جگہ مٹی کھدی چوٹی تھی اسکو نہ پایا تو ایک خط ملا رحیب سے خط نکال کر لیجئے اسکو پڑھا
 تو معلوم ہوا کنگا کہ میں آپ حضرات تک کس طرح پہنچا۔ خط انیسٹر صاحب نے پڑھا شروع کیا۔

ظفر حسین صاحب تسلیم
 راتہ وہی ہاشمہ ہو۔ افسوس میں آپ سے نہ مل سکی فوراً مجھ کو روٹی جانا پڑا۔ انیسٹر
 شام سندھ صاحب مع اپنے تین بھائیوں کے ایک مکان میں مقید ہیں وہ وہاں پہنچے ہوئے
 یہاں تک میں سے معلوم ہوا کنگا۔ دلاور کی ہر قیام گاہ کا ایک پیچیدہ راستہ ہو دوسرا سہل راستہ
 چنانچہ آپ بہت جلد ایک نچرہ عالی شان مکان نظر آئیگا اس مکان کے جانب مشرق ایک میدان
 پڑا ہو جس میں ایک بوسیدہ خیمہ مکان ہو اسمیں جانب شمال ایک کوٹھڑی ہو دیوار میں ایک
 الماری بغیر دروازہ کے نظر آئی جس میں صرف درمیان میں ایک پٹر لگا ہے اسکو پکر کر کچھ پوچھا
 تو اس مقام تک پہنچ جائیگا جان انیسٹر صاحب میں خط پڑ کر فوراً چاک کر ڈالے گا۔

راتہ ہاشمہ۔

خط پڑھ کر انیسٹر صاحب نے ظفر حسین کو دیا جو فوراً چاک کر ڈالے گا۔
ظفر حسین جب دلاور کو معلوم ہوگا کہ آپ وہاں سے غائب ہو گئے تو بہت پریشان ہوگا۔ لہذا
 اب بہت احتیاط سے کام کرنا چاہیئے۔

انیسٹر صاحب۔ کیا کوئی کچھ اس طرح کے واقعات پیش ہوتے ہیں کہ انسان دھوکا کھا جاوے
 اگر ہاشمہ سے کلمات ہوائی تو بہت فائدہ تھا۔ مگر زبیدہ سہی یہ غیبی امداد کا وسیلہ خوب نکل آیا۔

اچھا اب میں خدمت ہوتا ہوں انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی تراطیان سے ملے ہوگا کہ اب
کیا کرنا چاہیے۔ یہ کہہ کر انکے صاحب اسٹے اور کو تواری روانہ ہو گئے۔

یان توہین نے بیڑیاں توڑیں جنوں کے جوش میں
اور در زندان کی دوائ زنجیر و کمرے ہوئی (مصنف)

باب دوا زہم

کھنچ رہا ہی تیرا در طوفان خون دل میں ہے
دو تہی میں حسرتوں کی کشتیاں بچھا رہی ہیں
(انسوس)

صبح کے نو بجے میں نظر حسین اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا خیالات کی دنیا میں سیر کر رہا ہے
کبھی کہتا ہے۔ عجب مصیبت درپیش ہو رہا اور کیا ہے اک آفت ہے خدا معلوم اسکی کشتی
زور لگا رہی ہے۔

بہشت اللہ مرحوم نے امام باڑہ آصفی میں ایک بھول بھلیاں بنوائی جسکا دور در دور
ظہر ہے۔ مگر دلاور کی ہر تہا نگاہ ایک بھول بھلیاں ہر رہی ہے۔ کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ
اس قدر مکانات اسکے قبضہ میں کیونکہ آئے۔ صرف ایک دیکھ میں آتی ہے۔ اگلے زمانہ میں
کچھ لوگوں نے اس طرح کے مکانات بنائے ہونگے اس نے کوشش کر کے پتہ لگایا اور اب
گروہ ایک بن گیا۔ سیکڑوں اپنی جہدیں بھی کہیں ہیں۔ مثلاً بجلی کی روشنی وغیرہ گھنگو سے اسکی قابلیت
کا پتہ چلتا ہے۔ اگر نرزی عزلی۔ فارسی سلسکرت وغیرہ سب میں کامل معلوم ہوتا ہے۔ بھول
بھانس سے بھی باہر ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ اپنی دماغی قوتیں ہلک کی بھلائی میں صرف کرتا۔
آدمی نہایت خوبصورت اور مضبوط طبیعت میں آزار پسند ہی بھی نہیں جب ملتا نہایت
خدمہ پیشانی سے۔ اسکو ٹھنڈے کھمیر کوئی کچھ نہ نہیں ملتا۔ اور ایک حد تک اس کے
خیالات ٹھیک ہیں اگر باشمہ ہم لوگوں سے نہ ملتی تو انیسویں صاحب کا پتہ بھی نہ چلتا کہ کہاں
ہیں۔ معاملہ نازک ہے مگر خدا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اٹھا اور سیدھا کو تواری روانہ ہو گیا۔
انیسویں صاحب۔ کیے اسوقت کیونکر ممکن آئے مگر کی تہیہ سوچی۔

ظفر حسین رسول کے کہ ہاشم سے دروعل سکتی ہو اور کوئی طریقہ نہیں۔
 انیسویں صاحب۔ یہ تو ٹھیک ہی مگر ہاشم سے ملاقات کس طرح ہو۔ یہ مانا کہ وہ بہ نسبت
 اور غور تو ان کے تیز اور چالاک ہو مگر کبھی عورت سے دلاور سے خوف زدہ ہو اور پاؤں کا ڈر بھی
 جاسے ہو لیکن آئندہ اسکی ذات سے کامیابی کی امید ہو۔
 ظفر حسین۔ بیشک ہاشم سے بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں مجھے ایک خیال اور آیا آپ سے
 رائے لیتا ہوں۔ چچا جانے ہی ذرا بھانپتا ہے۔ اسکا سائنہ لازمی ہو ممکن ہے وہ ان بھی کوئی
 نہ کوئی ایسی چیز دستیاب ہو جاوے جس سے یہ فائدہ ہو جس طرح یہاں انکے ہاتھ کا نقش ملا ہے
 شاید وہ ان بھی کوئی ہو۔

انیسویں صاحب۔ ظفر حسین صاحب آپ کا خیال بہت ٹھیک ہے ضرور بالعموم دروعل ہے
 اور ایک ایک چیز وہ ان کی ملاحظہ فرمائیے۔ مگر نہایت احتیاط سے دلاور کو آپ جانتے ہیں نہ
 کی طرح نازل ہو جاوے نہ بخت بلا کا آدمی ہے۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ دلاور کے گروہ میں زیادہ
 آدمی نہیں مگر جو بھی ہے اک آفت کا پرکالہ ہے چھوٹے سے بڑے تک سب ایک سانچے میں
 بڑھ چکے ہیں دلاور نے وہ انتظام کر رکھا ہے کہ یہاں دماغی خیالات عملی پر لے میں بھی ظاہر نہیں
 پڑتے کہ اسکا اطلاع ہو جاتی ہے۔ اس لئے نہایت احتیاط اور ہوشیار رہنے سے بھر کچھ بگاڑ
 ظفر حسین۔ جن کچھ ہی باججے والی گاڑی سے روانہ ہو جاؤ گے۔
 انیسویں صاحب۔ دہلی میں اس مکان میں رہنا کون رہتا ہو۔

ظفر حسین۔ جسکے بخش ایک وفادار آدمی جو ہم لوگوں کو اس پر ایک خاص اعتماد ہے۔ علاوہ
 اس کے دیانت دار بھی حد درجہ کا ہو اسی کو وہاں روانہ کروایا ہے والدہ صاحبہ علیحدہ آکر
 تھیں مگر بھی اس مکان میں آگئی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ نذر جان کو بھی دین پہونچا دوں۔ اچھا
 اب میں رخصت ہوتا ہوں انشاء اللہ بوقت روانگی پھر ملتا جاؤں گا۔

ظفر حسین نے گھر پہونچ کر اپنے کمرے میں باہر کھڑا ہوا کر ٹانگہ کیا رہ بچ گئے تھے۔
 بھوک معلوم ہو رہی تھی گھر میں آکر ماسے پر چھا کھا اتیار ہے۔ وہ بڑبڑانے لگی۔ بیان آج
 کچھ دیر ہو گئی۔ سوئے تھائی نے بڑی دیر میں نرگشت بنا کر دیا۔ ۹ بجے گھر پہونچی۔ اب کیا رہ
 کا غل ہے۔ لاکھ لاکھ جلدی کی مگر پھر بھی دیر نہ ہو گئی۔ چھوٹی بیگم کو بھی بھوک لگی ہے کئی مرتبہ
 دریافت کر چکی ہیں۔

ظفر حسین نور جہان کے کمرہ میں داخل ہوا تو نور جہان کو نہ پا کر اسے دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا میان ابھی ابھی تریپٹی ہوئی پڑھ رہی تھیں۔ ایک برس ملن آئی تھی اُس سے رشتہ یسین اور فیتے سے وہ میرے ساتھ ابھر چلی گئی۔ چھوٹی بیگم کتاب دیکھتی رہیں نہ کرے میں اگر یسین اور فیتے ادھکا کر لے لیجئے یہ سودا اس سے خریدا تھا۔ چھوٹی بیگم چھوٹی بیگم کہہ کر چلائی۔ مگر سولے آواز بازگشت کے کوئی جواب نہ ملا۔ ظفر حسین کی عجب حالت ہو گئی۔ اُنھوں نے نیچے اندھیرا چھا کیا۔ اماں سے دریافت کیا بساط میں کیا سلیر کیا تھا۔ موتی بھٹی یا دلی۔ قد کتنا تھا عمر کیا ہوگی۔ اکیلی تھی یا اوس کے ساتھ اور بھی کوئی تھا۔ کتنی دیر بیٹھی تھی۔ کیا باتیں کرتی تھی۔ اماں سوالوں کی بھر مار سے گھبرا کر کہنے لگی۔ میان مجھے یزید میں آپ نے کیا کیا اور جیسا ایک ایک بات دریافت کیجئے تو بتاؤں۔ علاوہ اس کے میں کثرت تو کھانا پکا رہی تھی آج دیر ہو جانے کی وجہ سے اور بھی پریشان تھی ریس اتنا جانتی ہوں۔ وہ لہجے قد کی عورت تھی۔ کوئی پچیس برس کی عمر ہوگی۔ سافزارنگ تھا۔ ماتھے پر ایک مسٹا۔ ہڈی پر اتنا کھجکھو اور جی خانہ سے اچھی طرح دکھائی دیتا تھا۔ جو اتنی ہر مین اسکو گھبرا کر خبر نہیں آپ جانے میں میں اُنکا سستی ہوں۔ علاج بھی کیا گھر میں مرض دور نہ ہوا۔ میں خود حیران ہوں کہ چھوٹی بیگم کمان غلبہ ہو گئیں۔ یہ کہہ کر دسے لگی ہے ہے میری چھوٹی بیگم ظفر حسین کو کچھ شبہ ہو اختلاف سوچتے گئے۔ چہرہ کو نہایت غور سے دیکھا رہا۔ مگر کوئی ایسی بات نہ معلوم ہوئی کہ جس سے یقین کر لیا جاتا کہ ناما کی بھی احمیں سازش ہے۔

نور جہان کی آنکھ میں بھاری پڑی ہوئی تھیں اور کوئی خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔ جب ظفر حسین نے اُن سے کہا تو پچھون مارا کر دسے لگیں۔ ظفر حسین سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ ابھر کر ٹپٹک بریست رہا۔ بڑے بڑے خیالوں نے پیش رفتی کرنا شروع کی۔ غصہ ہو گیا۔ اب نور جہان کی رہائی مشکل ہی پر عورت خدا معلوم کون تھی دیکھ غور کر کے) اب یا دیا یا نہ دیا زبیرہ کا کہہ ہے۔ انیسٹر صاحب کہتے تھے کہ اسکے لہجہ پر ایک سیاہ مسٹا ہے۔ دلاور کے انیسٹر صاحب کو قید کیا تھا۔ میں پانچمہ کی دروس نکال لایا۔ اب معلوم ہوا کہ اس کی جیسے بہت بدظن ہو گیا ہے۔ جسکا برہنہ یہ تھا کہ نور جہان کو کچھ غائب کر لیا۔ افسوس کیا سوچا تھا اور کیا ہو گا۔ ستارہ ہی گردش میں کہ کچھ نامیابی کی امید ہو چکی تھی کہ یہ تو کام سر پر ٹوٹ پڑا اب دلاور نور جہان کو نہایت حفاظت سے رکھنے کا۔ میرے فوجیوں۔ زبیر۔ چاروں انیسٹر صاحب

سے کل واقعہ بیان کروں۔ اٹھ کر کھڑے ہو کر سیدھا کوڑی پہنچا، انسپکٹر صاحب نے گھیرا یا ہوا کھل کر سبب دریافت کیا۔ ظفر حسین نے مکمل واقعہ بیان کر دیا۔

انسپکٹر صاحب۔ اب کہتے ہیں، اما کیا بیان ہو، بساط میں سے سامنے باہر گئی اور پھر نور جان کتاب پڑھنے لگیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کس طرح غائب ہو گئیں۔

ظفر حسین۔ جی ہاں، اما کہتی رہی میرے سامنے بساط میں باہر گئی اس کے ہمراہ بھی کوئی نہ تھا۔

انسپکٹر صاحب۔ معاملہ بہت سمجیدہ ہے، قدم قدم پر مصیبت کا سامنا ہو رہا ہے، دلاور نے تو اس قدر پریشان کیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مگر ظفر حسین صاحب اب جو کچھ بھی ہو کارروائی برابر جاری رکھنا چاہیے۔ میں جانتا ہوں آپ کو بڑا صدمہ ہوا ہو گا۔

ظفر حسین۔ مجھ کو اپنا خیال بالکل نہیں۔ مگر کیا کروں نور جان کے کیا ایک پھر غائب ہو جانے کے میرے حواس قائم نہیں رہے۔ مگر آپ اطمینان رکھیں، انشا اللہ اب مجھ کو کتابت قدم باقیے گا۔ اب جو کچھ بھی ہو میں اپنا کام برابر جاری رکھوں گا۔

انسپکٹر صاحب نے ظفر حسین کی ہمت پر کچھ دل سے تحسین و آفرین کی۔

صبح کے تھے ظفر حسین اسٹیشن روانہ ہو گیا، ریلی جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی ٹکٹ لیکر بیٹھ گیا۔ شاہجہا پور کے اسٹیشن پر اوڑھ کر ٹھہرا شروع کیا گاڑی چھوٹنے کو تھی، چھینے کا رٹو لگایا کہ ایک درجہ میں غصہ بستر سایہ پہنے دکھائی دی دیکھتے ہی جان بکھل گئی۔ یہ انت کہان نامزدی ہو گئی۔ اب دیکھی جا اٹھیا کہ نہیں، در نہ یہ نہ ہر کی پڑیا رخدا معلوم کیا آنت ڈھائے، ہر وقت کوئی نہ کوئی سایہ کی طرح پیچھے لگا رہتا ہے۔ بہتر ہے کہ گھنٹہ دسین جاؤں۔ ورنہ غیریت نہیں گاڑی روانہ ہو گئی، دہلی سے آمیزا کی گاڑی تین بیٹھ کر گھنٹہ پونچھا، سیدھا کوڑی گیا۔ انسپکٹر صاحب سے سبب واقعہ بیان کیا۔

انسپکٹر صاحب۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ واپس چلے آئے

بہت دیر اسی کے متعلق گفتگو ہوئی کہ وہ وزن آدمی اگلے بغیر تفریح ٹھٹھے ہوئے گزرتی کی طرف چلے پہلے کے قریب ایک موٹر کھڑی ہوئی تھی غور سے دیکھا تو تین آدمی اس پر بیٹھ ہوئے ہیں۔ ایک عورت دہنی جانب اور بائیں جانب ایک آدمی اور درمیان میں ایک لڑکی ہے۔ جب قریب پہنچے تو لڑکی کو بچا نا کہ غصہ ہے وہی بستر سایہ پہنے ہوئے ہاتھ میں بڑا کھنڈارہ لئے ہوا میں اڑا رہی ہے۔ ان لوگوں کی نظران دونوں پر پڑی موٹر آدھی کی طرح

روانہ ہو گئی اور بات کی بات میں آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ ظفر حسین اور انسلیٹر صاحب
حیران کہ یہ کیا معاملہ ہے شمیمہ تو شاہجہانپور کے اسٹیشن پر دہلی جا نیرالی گاڑی میں دکھائی دی
تھی۔ کیا کوئی دوسری شمیمہ بھی پیدا ہو گئی۔ دونوں آدمی اوس جگہ جہاں میٹرکس ٹریکس تھے دیکھا
ایک کاغذ پیل سے لکھا ہوا پڑا ہے۔ ظفر حسین نے پڑھا شروع کیا۔

ظفر حسین صاحب۔ تسلیم۔ بہتر ہو کہ آپ نے دہلی کا سفر ملٹی روکھا شمیمہ اور ماہرین جان دھڑا
آپ کے ہم سفر تھے جب اوکو معلوم ہوا کہ آپ نے شمیمہ کو دیکھ لیا اور ٹرین پر بھی نہ بیٹھے تو یہ لوگ
بھی دوسری طرف سے اتر گئے اور پوشیدہ رہے جس مگاڑی پر آپ تھنڈو آئے اوس پر بھی
واپس آئے۔ آپ نور جہاں سے اطمینان رکھتے جیتا کہ میرے دم میں دم ہر ادن کو کرنی تکلیف
ہو گئی جس صورت میں مومانی جان (زبیدہ) آپ کے وہاں پہنچیں وہ ظاہر ہے۔ فیتے اور لیسین
بھیج کر ماکو دکھانے کی عرض سے ابھر نکلی مرن ماما کھانا بجانے میں مصروف تھی یہ پھر اکی آکھ بھا کر
پہنچیں۔ نور جہاں کے چہرے کے سامنے کتاب تھی لٹھی ہوئی پڑھ رہی تھیں کرہ میں داخل ہوئیں
کرہ کا صرف درمیانی دروازہ کھلا تھا اوسکو بھی بند کیا اور یکایک بستوں لیکر سٹینڈ کھڑی ہو گئیں
نور جہاں دلی کی بہت نازک مین دیکھ کر ڈگ گئیں۔ عجب حالت ہو گئی وہ ایک آواز میں کہہ رہی تھیں
ماکو دین وہ کانون سے بہری آئے ہاگل نہ سنا۔ ادھر یہ خوف کے مارے بیوش ہو گئیں بتے ہوئے
نالا لڑا لیکر صحنہ میں پانی لینے لگی۔ مومانی جان نور جہاں کو لیکر ابھر آئیں وہاں میٹرکس ٹریکس تھی۔ اسپر
بیٹھ کر روانہ ہو گئیں اکھا پتہ بتانا اندیشہ سے خالی نہیں صرف اتنا بتائے دیتی ہوں کہ وہ تھنڈو
میں تین مین نے انہیں اپنا راز ظاہر کر دیا ہے۔ مگر اسپر بھی وہ بہت پریشان ہیں۔ دلاور کی جا بابت
سے آپ بہت ہوشیار رہتے مگر فقط

رائٹ

اشتمہ

انسلیٹر صاحب۔ خدا اشتمہ کہہ جائے رکھے اگر دلاور کو معلوم ہو گیا تو حیرت نہیں۔ نور
خط جلا دلا گیا مدونوں آدمیوں نے کہہ رہے تھوکی اور پھر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر
روانہ ہو گئے۔

ظفر حسین صاحب نے اپنے گھر کا رستہ لیا اور انسلیٹر صاحب کو توالی چلے گئے۔
ظفر حسین نے زمانہ باس پہنا پر قوم اور صاحب کاڑی میں بیٹھ کر چار باغ پہنچا کٹ لیکر
دہلی روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر بھی بند گاڑی کرایہ کی کہ کے گھر پہنچا رات بھر جانے کی وجہ سے

دن کو سوتا رہا پانچ بجے اٹھ کھلی حمام کیا قریب سات بجے شب کو ایک لپ روٹن کر کے سو گھر صاحب کے! ہر دن نشست کے کمرہ میں پہنچا۔ یہاں کتابوں کی الماریاں تھیں۔ متعدد صندوق تھے۔ سچی چینی کے ہونوں کی کثرت تھی۔ سیکڑوں قسم کی قلمی کتابیں تھیں۔ دیوان مختص۔ دیوان فردوسی۔ دیوان حافظ۔ دیوان انوری وغیرہ وغیرہ نہایت خوش خط لکھے ہوئے تھے۔ پانچ عرب۔ تاریخ اسپین۔ تاریخ چین وغیرہ وغیرہ خاص بادشاہ اورنگ زیب کے اٹھ کا لکھا ہوا قرآن مجید بھی تھا۔ غرض کہ سیکڑوں قسم کی قلمی کتابیں تھیں۔ ہر کتاب کے ورق الٹ جیسے کر دیکھے جاتے اور پھر علیحدہ رکھ دیجاتی۔ ۱۱ بجے ۱۲ بجے ایک بچے تک کمرہ کی ہر چیز کو الٹ الماری کی دیکھ ڈالی گئی۔ سب دیکھی الماری کھولی گئی۔ اوسمیں مختلف قسم کی پرانی ایرانی قلمی تصاویر تھیں جو دیکھ کر رکھ دی گئیں۔ ایک سرخ گزٹ کا بستہ ملا اوسکو کھولا تو کچھ حساب کے کاغذات تھے دیگر بھی دیکھ کر رکھ دیا۔ ایک بڑا الفا فلا اوسکو کھولا تو ایک اور بڑا الفا فلا تھا اوسکو کھولا تو ایک کاغذ تہ کیا ہوا اور سے ہندو احوال دہلین کئے لگایا آئی یہ مداری کا ڈبہ ہو گیا کہ ایک کے اندر سے دوسرا پیدا ہوتا جا تا ہے۔ دور کو کھولا تو سوداگر صاحب کے اٹھ کا لکھا ہوا ایک نوشتہ فوراً اٹھا کر دیکھا تو اس میں ایک نقش بنا ہوا نظر آیا جو لکھنؤ میں دستیاب ہوا تھا میں نے قریب کرسی پر بیٹھا کڑھنا شروع کیا۔ لپ کی روشنی ضرورت سے زیادہ تیز کر دی گئی لکھا تھا۔

واضح ہو کہ مدت سے مجھ کو کتب بینی کا شوق تھا سیکڑوں قلمی کتابیں دیکھ ڈالیں۔ اتفاقاً ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو ایک کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا اوسکے شروع کے چند ورق ضائع ہو گئے تھے ایک صندوق میں نے پکال کر یہاں سے نیلام میں لیا تھا اوسمیں کچھ پھٹی ہوئی کتابیں کچھ برائے کپڑے۔ پانچ پھر ٹوٹے ہوئے قلمدان کچھ خالی عینکوں کے خاتمے۔ کچھ پھتری کی تیلیاں غرض کہ اسی کا اور فضول سامان تھا۔ میں نے یہ سب چیزیں زرد کوٹھی میں ادھر سے کتاب اپنے ہمراہ لیکر واپس چلا آیا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو رات کے وقت اس کتاب کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کتب بینی کا شوق اس قدر تھا کہ کتاب کسی صفحہ کی کیوں نہ ہو میں کر لی صفحہ ہی بغیر پڑھے نہ چھوڑتا تھا۔ کتاب دیکھتے دیکھتے تین بج گئے ایک صفحہ پر جلی حرفوں میں لکھا تھا۔ طلسمی برج موجب بھی طرح پڑھ چکا اور ہر بات سمجھ میں آگئی تو یہ نوشتہ اسے الفاظ میں مختصر کر کے لکھا اسلئے کہ میں لکھنؤ طلسمی برج کی تلاش میں جاتا ہوں زندگی کا کیا اعتبار ممکن ہے کہ قبل اس کے کہ میں اس کو تلاش کروں موت آجائے تو کسی دوسرے کو کیوں محروم رکھوں۔ حسب ذیل نقش سے طلسمی برج کا پتہ

چل سکتا ہے۔

نقش

۲۰۰	۵۰	۳	۰
	۵۰	۲۰	۲۰۰
		۱۰	۲۰۰
۱۲۹	۱۲۱	۲۲۵ - ۶۲۵	۳

۲۰۳ - ۶۳۵	۲ + ۲	۲۳۲
-----------	-------	-----

نقش کی پہلی سطر کے خازن میں ۲۰۰-۵۰ اور ۳-ہند سے لکھے ہیں پر لحاظ ابجد ر-ن۔ اور ج کے حروف ہوئے مگر پڑھنے سے لفظ ر-ن بج رہا

اس سطر کے بعد دوسری سطر کو اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ تیسری سطر کے ہند سے جو کہ ۲۰۰ اور ۲۰۰ ہیں ان سے حروف ای اور ت (مگر زیت) بنا اب اگر پہلی سطر کے لفظ کو اس سے ملا کر پڑھا جائے تو ر-ن بج رہا ہے۔

دوسری سطریں ۵۰-۲۰-۲۰۰ ہیں یعنی ن-مک-اور-ر جس سے صاف لفظ رنگ بنتا ہے۔

اب پہلی دوسری اور تیسری سطروں کے الفاظ کو ملا کر پڑھا جائے تو ر-ن بج رہا ہے اب رہی نقش کی چوتھی سطر پہلے خانہ کے ۱۲۹ سے لفظ طلسمی بنا۔

دوسرے بے حرف، ب۔ تیسرے بے حرف، ر۔ اور چوتھے بے حرف، ج۔ پہلے خانہ کے لفظ طلسمی اور باقی تینوں خازن کے حروف ن-مک-اور-ر سے لفظ ر-ن بج رہا۔

یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ طلسمی بیج کا خزانہ لکھنؤ میں کوئی مقام ر-ن بج رہا ہے وہاں ہے۔ نیچے کے ہند دن اور لٹانات سے اسکا رستہ معلوم۔

ظفر حسین نے یہیں تک پڑھا تھا اب کی جہنی چٹنی اور اسنے زور سے ٹوٹی کہ بیز کے نیچے گر پڑی

ہوا کا ایک تین چھوٹا آیا۔ اور لمب گل ہو گیا۔ برسات کی اندھیری رات یکایک روشنی سے اندھیرا
 جو ہو گیا تو بیچارہ کی پریشانی بڑھ گئی جلدی سے کاغذ نیر پر رکھ کر کوٹ کی طرف بڑا کر جیب سے برقی
 لمپ نکال کر انڈھیرے کی وجہ سے ایک کرسی سے ٹکڑھا لی۔ زمین پر گر پڑا گھٹنا چھل گیا نہ ہوا
 اور ناک میں سخت چوٹ آئی کچھ خون بھی نکلا مطلق پروانہ کی جلدی سے اوٹھ کر بغیر کمرہ وں سے
 مٹی چھڑے ہوئے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو برقی لمپ نڈار دہریشانی اور زیادہ ہو گئی
 جلدی سے دیالسانی جلا کر بغیر چینی کا لمب روشن کیا دروازہ بند کیا گیا کہ پروانہ آئے جلدی سے
 بیٹھ کر کاغذ اٹھا یا تو بجائے اسکے دوسرا بچہ پاڑا تو کھڑا ہوا تھا۔

مسٹر ظفر۔ داغ پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔ رات زیادہ آئی اب سو رہا باقی آئندہ بڑھ لینا یا
 اگر زیادہ خواہش ہے تو مجھے ملکر دریافت کر دے پھر کعب حالت ہو گئی۔ بجائے بیچ و افسوس کے
 جسم خوف سے کانپنے لگا۔ دلمین کہا۔ دلاور کبھی انسان نہیں یہ ضرور کوئی جنون انسانی بھیس میں ہو
 ورنہ حکومت وہ یہاں کہاں پھر کچھ خیال آیا کہ وہ کا دروازہ کھول کر باہر ہو جائے۔ تو دیکھا ایک طرف کی تیزی
 سے بھاگی جا رہی ہے۔ یہ بھی ٹنگڑا ہوا حتی الامکان تیزی سے اسکے پیچھے دوڑا۔ لڑکی ایک مکان
 میں ٹکس گئی۔ یہ بھی اوس مکان میں داخل ہوا ایک کمرہ میں گئی یہ بھی اسکے پیچھے پہونچا کمرہ میں پہونچ کر
 ایک لکڑی کا گھوہرا زینہ بنا تھا اوپر لڑکی چڑھ گئی ظفر حسین کو کچھ خیال نہ تھا آخر کار روٹی پھیلا کر
 باقی تھیں کہ لڑکی کو کھلایا۔ دیکھا تو شہید ہے بیچارہ سم گئی مگر باقی تھیں جو کاغذ تھا جلدی سے اسکے
 سایہ کی جیب میں رکھ لیا اور کہنے لگی۔

شہید۔ یہ آپ میرے پیچھے کون دوڑے لیجئے اپنا برقی لمپ لے لیجئے اور روشنی کر کے دیر یا
 پھر کہنے لگی اتنی ہی جہز کے لئے بیتاب ہو گئے دوڑے چلے آئے جھک کر لگی سو بھی تھی ورنہ میرے
 ہاں خود ایسے متعدد لمپ پڑے ہوئے ہن۔

ظفر حسین۔ لاؤ وہ کاغذ دو ورنہ خیر نہیں۔
شہید۔ کھرجائے سستا لیجئے حواس ٹھیک ہو جائیں تو دیدن ورنہ آپ پھر ضائع کر دیجیے گا۔
 میں یہ سمجھی تھی آپ دھوکا کھا گئے مگر آپ بڑے سیانے ہن۔

ظفر حسین۔ جلدی کاغذ دو ورنہ تمھارا کھوٹ کر زبردستی نکال لوں گا۔
شہید۔ ہے ہے آپ کو مجھ سے بھی نہیں آتا۔ چھوٹی طسی لڑکی سے لڑنے کو تیار ہو گئے میں اس
 کاغذ کی باؤ بناؤں گی۔ حوض میں تیراؤ نکلی۔ اس کاغذ کو آپ نہ لیجئے آپ کے بالکل سکا رہے۔

فقط دنگی تھی اور ٹھالائی آپ سمجھتے ہیں میں کئی نوٹ لیکر بھاگ آئی آپ کے قدموں کی قسم نوٹ نہیں ہو۔

ظفر حسین نے زبردستی کھانا چاہا شمیمہ محل گئی اور کہنے لگی چاہے مار ڈالے میں نہ دنگی ہاں ایک شرط سے دینے کو تیار ہوں۔

ظفر حسین۔ بتاؤ وہ شرط کیا ہے شمیمہ تم بڑی باجی لڑکی ہو۔ میں حیران ہوں تم زمینہ مان کے بیٹ میں کس طرح رہیں۔

شمیمہ۔ بھی اللہ کی قسم سچ بتائیے آپ کو یہ کیونکر معلوم ہو گیا ماموں جان کہتے تھے میں سارترین ہینہ پیدا ہوئی اس لئے ستوا سی ہوں۔ میں خیال کرتی تھی ماموں جان مجھے دنگی کرتے ہیں سب لوگ سارترین ہی مینے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر آج معلوم ہو گیا وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب سچ بتا دیجئے کیا آپ آٹھویں ہینہ پیدا ہوئے یا نہیں۔

ظفر حسین۔ زیادہ باتیں نہ بناؤ وہ شرط جلدی سے بتاؤ۔

شمیمہ۔ بھی آپ بڑے سخت آدمی ہیں۔ اچھا شرط یہ ہو گا غدر دینے کے بعد آپ کچھ بار من نہ ہونگے اور مجھ کو کچھ سزا نہ دیگے۔

ظفر حسین۔ ہاں میں مجھ نارہن نہ ہو گا۔

شمیمہ۔ میں یوں یقین نہیں کر سکتی۔ آپ نور جان بیگم سے زیادہ کسی کو خیر نہیں رکھتے بس انہی کے سر کی قسم کھائیے۔

ظفر حسین نے خیال کیا لڑکی مندی ہے یوں کا غدر دنگی شاید ڈرتی ہو کہ میں مار ڈنگا

یہ سوچ کر کہا۔ اچھا میں نور جان کے سر کی قسم کھاتا ہوں یہ کا غدر تو تم نے ابھی جیب میں

رکھ لیا ہے دیدو گی تو بجائے نارہن ہونے کے تم سے خوش ہو گا۔

شمیمہ۔ اب مجھ کو یقین آ گیا ایک مرتبہ اپنے الفاظ اور وعدہ مرا دیجئے تاکہ ابھی طرح مجھ کو

یقین آجائے۔

ظفر حسین نے جلدی میں بھروسہ الفاظ دہرائے۔

شمیمہ۔ تو بھرا نے ہاتھ ہی سے نکال لیجئے۔ گر میرا سایہ نہ پٹنے پائے نہیں تو ماموں جان

جھکوا دیگے۔

ظفر حسین نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کے کاغذ نکالا برقی لمپ کی روشنی تھی لکھا

میں پر ایک پھلی بنی ہوئی ہے ایک طرف مڑی بنی ہوئی ہے اسی طرح دوسرے کپڑے کو مڑوں
میں پھل سے بھنی ہوئی ہیں۔ ظفر حسین کو دیکھ کر سکتا سا ہو گیا۔ شیدا چاہا چاک کڑا لیا
کھانے لگی۔

آپ تو قسم کھا چکے تھے میں بخانا ہونگا بلکہ اور خوش ہو گا یہ آپ نے رونا منہ کیوں نہ لیا
آپ سے پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ یہ کاغذ آپ کے بیکار ہے میں اسکی آؤ بناؤں گی پہلے تو
میں خاکہ آپ مجھے مارتے بھی تھا بھی ہوتے۔ مگر اب تو آپ نور جہاں بیگم کے سر کی قسم
کھا چکے ہیں۔

واقعی امر یہ ہے اگر ظفر حسین کو قسم کا خیال نہ ہوتا تو غصہ کی حالت میں بغیر سوچے سمجھے
میرے کا گلا گھونٹ ڈالتا۔ بڑے عہد میں کھڑا ہوا شہید کو آچکے ہوئے دیکھ رہا ہے
کہ پانوں کی چاہ معلوم ہوئی نظر اٹھا کر دیکھا تو دلاد مسکراتا ہوا اجلا آ رہا ہے۔ ہاتھ پکڑ کر
ظفر حسین کو ایک کمرہ میں لے گیا اور کہنے لگا۔ کیوں لڑکی پر غصہ کرتے ہو اسکی کیا خطا۔

مگر ہر طرح کے ساز و سامان سے بجا ہوا تھا ایک جانب بیوی سی جو کہ بھی ہوئی تھی۔
دوسرا ایک گرم پانی کا ٹار کھا ہوا تھا۔ جو کہ کیچے جاندی کا تسلا لگا ہوا تھا ظفر حسین
کو لجا کر وہیں کھڑا کر دیا۔ اور کہنے لگا پہلے اپنا منہ دھو ڈالو۔ دیکھو سب خون بھرا ہے۔ مگر
میں بڑی تیزی سے اٹھے تھے تم بڑو کا کہنا بھی نہیں مانتے صاحبزادے جو دوڑی جاؤ گے گر گیا
ضرور کیوں اتنی تیزی کی تھی۔

ابھی تک کچھ خیال نہ کیا تھا ظفر حسین نے غور سے جو دیکھا تو واقعی سب قمیص خون میں
تر ہو رہے ہونٹ سے آگ خون جاری۔ ہاتھ بھی چھل گیا ہے گھٹنہ الگ زخمی ہو گیا۔
بیچارہ اپنی حماقت پر افسوس کر رہا تھا۔ مگر پھر کیا کرتا بیٹھ کر منہ دھو یا۔ اب زخموں میں
شیں ہونے لگی۔

دلاد نے ہاتھ پکڑ کر ایک آرام کرسی پر لٹا دیا ظفر حسین نے غصہ کے مارے ایک
لفظ بھی زبان سے نہ کہا۔

دلاد پر سنو تم کھڑے بہت ہوشیاری سے دہکی ہوئے ہیں نے دریافت کیا تو تم کو کھڑوں میں
نہ پا یا خیال دوڑ لگے دوڑ لگے دہکی میں تم کو پکڑا وہ بھی درجے رات کو فوراً منہ شکم کے
تھا رہے پاس پہنچا دروازہ کھلا تھا تم طلسمی برج کی سیر کر رہے تھے۔ خوشی میں تمھارے منہ سے

یہ الفاظ مکمل رہے تھے۔ بحیثیت مگر طلسمی برج۔
 میں نے یقین کر لیا ابھی تک تم نے علم خطرہ جان کی طرح ہر مطلب یہ ہے کہ تم کو یہ مرکز نہیں
 معلوم ہو سکتا کہ کھنڈ میں بحیثیت مگر کہاں ہے تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں خود بحیثیت مگر کی تلاش
 میں مدتوں سرگردان بھرا ہوں اس کے بعد کہیں یہ جلا کہ بحیثیت مگر کہاں ہے۔ تو جب میں تم کو
 پہنچا تو تم نے میں تک پہنچا تھا بحیثیت مگر طلسمی برج میرے اٹھ میں ایک ٹھیلہ تھا چھٹی پر
 نشانہ ٹھیک پڑا وہ ٹوٹ کر نیچے گر پڑی تم بڑھنے میں استعداد ہوش تھے یہی غفلت کیا کہ اگر چھٹی
 چھٹی تو دو ٹکڑے ہو کر نیچے کس طرح گر پڑی۔ علاوہ اسکے ڈھیلے کی بھی آواز نہ سنی۔ میں ابھی
 جاتا تھا تم زہین ہو کر اس وقت بچوں کی طرح دھوکا کھا جاؤ گے۔ کیونکہ تمہارے وہم و گمان میں
 بھی نہ ہو گا کہ دلا دیا میں موجود ہے اس نے اطمینان سے میں نے یہ حرکت کی دگلی کی دگلی
 ہوئی اور کام بھی مکمل کیا تم ایسا گھڑنے کہ کسی تڑی ہوئی وہ تو کموشہ کی کڑی تھی دن
 اسکا الگ نقصان ہوا اور دھرم گرسے میں نے اطمینان سے کاغذ ادا دھٹایا اور لیکر چلتا ہوا
 شہر کو دگلی سو بھی گس نے تمہارا برقی لمبہ حبیب سے نکال لیا باہر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا اسکو
 اٹھا کر بھاگی۔ تم نے اسکا تعاقب کیا اور آخر کار یہاں پہنچ کر پڑا۔ چونکہ تم نے اسکو دھڑایا
 میں نے بھی تم کو پریشان کیا۔ بھلا اس سے بگڑنے کی کیا وجہ۔ تمہارا چہرہ کیوں نہیں جو رہا
 ہے۔ اگر جوڑ زیادہ آگئی ہے تو ڈاکٹر ملادیا جائے۔ خیر اب صبح کو دیکھنا جاؤ گے۔ خدا معلوم
 کس خوشی صورت دیکھ کر آج اٹھتے تھے۔ اطمینان رکھنا آئندہ سے وہ صورت اب نہ دکھائی
 دے گی۔ تم میرے ہی ساتھ راکرور روز ایک آئینہ میرا نے رکھ کر سویا کروادھر آگے تھی آئینہ
 لیکر اپنی صورت دیکھ لی۔ کیوں یہ اچھی ترکیب ہے نا۔ اگر وطن میں مہمان رہنا چاہتے ہو
 تو اس مکان میں رہو اگر کھنڈ میں قیام کرنا پسند کرتے ہو تو طلسمی برج کے قریب میری ایک کھانا
 ہے وہیں رہو۔ اور اگر آگرہ جانا چاہتے ہو تو وہاں روانہ کرو۔ مگر نہیں وہاں کھانا
 ہے اور قمار خانہ اور سے نہایت زہین اور اچھے دائرے کے جو ان ہو۔ بس فقط بچوں کی طرح
 طبیعت خلدی ہو۔

خیر صبح کو طرب سے بھر کر تانا بان کہو گے وہیں روانہ کر دو گے۔

ظفر حسین میں نہایت صاف طبیعت آدمی ہوں جو بات میری سمجھ میں نہیں آتی اسکو چھپاتا
 نہیں ابھی تک میں نہ سمجھا کہ انیسٹر صاحب کو تم کو نسبت دے دے گا۔ اسے کس طرح نکال لیا۔

بہر چھو اسکے در بابت کرنے کا کوئی حق نہیں تم نہ بتاؤ میں خود کو مستثنیٰ کروں گا۔
 ظفر حسین۔ دلاور صرف دو ایک سے پہلے تھاری آزادی کے اور رہ گئے ہیں جو بھی چاہی کر دے
 بھر لگا ہو چنانچہ صبح جب خاموش ہوتا ہو
 تم بھی حد سے زیادہ بڑھکے ہو تم نے مجھ کو ہمیشہ کے لئے اپنی قید میں رکھنے کا قصد کیا ہے مگر یاد کرو
 میں یہاں سے اس طرح نکل جاؤں گا جس طرح ایک بھول کی خوشبو صبح دماغ سے نکل جاتی ہے تم لاکھ
 تدریک کرو۔ مگر چھو قید میں رکھ سکتے جاؤ چھو اطمینان سے آرام کرنے دو۔
 دلاور حسین۔ واقعی ظفر حسین تم بڑے مستقل مزاج ہو مجھ اٹھاری چند باتوں کو خیال کر کے
 تم کو چھوڑ دیتا ہوں اب یہ بتاؤ کہ ان پکڑ صاحب کو تم چھوڑ لائے جسے تم کو کون رانی دلاؤں گا۔
 ظفر حسین۔ تم اب پکڑ صاحب کو کیا خیال کرتے ہو وہ مجھ سے بہت زیادہ تجربہ کار ہیں آج بھی
 چھو چھوڑ کر لے جائینگے۔

دلاور۔ آج تم نے نور جہاں کی بابت کچھ حیا فتنہ نہ کیا اذکو کس طرح سے رانی ملیگی۔

ظفر حسین۔ مجھے اطمینان ہو جب چاہو تم لگاؤ کو بھی لے جاؤں گا۔

دلاور (نوحہ لگا کر) وہ بھی واہ آج تو بڑے مزہ کی باتیں کر رہے ہو یہ کہہ کر اٹھاؤ اور کمرہ
 کے باہر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گئے ظفر حسین کی بھی تھوڑی دیر کے بعد آگ لگ گئی۔

لے جوش تازگی پہ ہے پرمردگی ضرور
 فصل خزان کی شاخ لگی ہے ہر اس میں (مصنف)

باب سیر و ہم

تا دیر آشوبن کا قہر رہا بعد آج
 تارنگہ مین کوئی موتی پرو گیا (مصنف)

برنجیت نگر

ظفر حسین کو دہائی آگے ہوئے تین دن گذر چکے ہیں۔ ان پکڑ شام سند صاحب بہت پریشان
 دیکھ رہے ہیں خیر معلوم کوئی آفت آئی ہے۔ اگر کوئی اور کام درپیش ہوتا تو مجھ کو مزہ

اطلاع دیتے۔ یقینی کہین چھٹس گئے۔ یہ سوچا کہ اٹھے کو قزالی سے بھلکے تاکہ پر پھٹکے چار بارغ ہو جائے
رہاں سے دہلی روانہ ہو گئے۔ دہلی ہو کر ظفر حسین کے یہاں آئے۔ ظفر حسین بخش سے پہنچے
ظفر حسین کہاں ہیں۔

حسین بخش۔ میان اڑکا کہین پتہ نہیں فرسون آئے تھے سو اگر صاحب کے کمرہ کی چیزوں کا معائنہ
کرتے رہے۔ میں تو بڑی میں تھا قریب دو بجے شب کو میری آنکھ کھلی تو دیکھا اسی طرح چیزیں وہاں
ہیں میں نے کہا بھی کہ آپ کیون پریشان ہوتے ہیں رات زیادہ گئی ہے آرام فرمائیے جو کچھ تلاش
کرتا ہے صبح کو دیکھ لیجئے گا۔ خدا معلوم انہی نے میرا کہنا سنا بھی کہ نہیں کیونکہ میری بات کا کوئی جواب
نہ دیا میں سو گیا۔ صبح اٹھ کر دیکھا تو کمرے میں نہ تھے ایک کرسی الٹی پڑی ہوئی تھی چیزیں تتر بتر تھیں
زمین پر دو ایک قطرے خون کے بھی نظر پڑے خیال کیا کہ شاید دشمنوں نے اڑکا بھی خاتمہ کر دیا اکی
والدہ کو معلوم ہوا انھوں نے روتے روتے عجب حال بنا رکھا ہو۔

انسپکٹر صاحب۔ آں سے کہہ بنا کہ آپ پریشان نہ ہوں وہ ایک کام سے چلے گئے ہیں شاید
کچ ہی آجائیں۔

حسین بخش نے اندر کہا بھیجا ظفر حسین کی والدہ کو اطمینان ہوا انسپکٹر صاحب کرنے میں پیشہ
ہوئے سوچ رہے ہیں ظفر حسین کا پتہ لگا ضروری ہو ورنہ بڑی بدنامی ہوگی ہر جگہ ہی تذکرے
ہو کر گئے ہیں کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ اخبار کے ایڈیٹروں کو خدا معلوم کیا ہو گیا ہے مضامین
پر مضامین لکھتے چلے جاتے ہیں کہ اتنا عرصہ گزر گیا دلاور کو پولس نے گرفتار نہیں کیا۔ قلم اٹھا کر
بگدینے کے سوا آنا بھی نہیں خیال کرتے کہ دلاور ہے کیا چیز اوسکو گرفتار کر لیا کیا آسان امر
میرا تو خیال ہے بڑی سے بڑی فرج کا شکست دینا آسان ہے مگر دلاور کا مقابلہ مشکل ہے یہ نہیں
خیالات میں ہیں کہ کیا ایک ظفر حسین کوسے میں داخل ہوئے انسپکٹر صاحب اُدھکر گئے سے پہلے
حسین بخش غرش ہو گیا ظفر حسین کی والدہ نے اندر بلایا تھوڑی دیر کے بعد باہر آئے تو انسپکٹر
نے دریافت کیا۔

انسپکٹر صاحب۔ کیون بھی یہ کیا واقعہ ہے تین دن تک کہاں رہے سب پریشان
میں بھی حیران ہو کر لکھتے رہے دہلی آیا تو معلوم ہوا یہاں سے غائب ہو گئے۔
ظفر حسین نے سو اگر صاحب کے ہاتھ کا زشتہ پا نا۔ دلاور کا لیجا نا۔ پھر میری کتاب ل
اوسکی چاہا زنی دلاور کا آنا اور قید کرنا سب تفصیل سے بیان کر دیا۔

انسپیکٹر صاحب۔ پھر اوسکے یہاں سے رہائی کیوں کر ملی۔
ظفر حسین۔ جب میری آنکھ کھلی تو ایک کمرے میں مقید پایا اور روزنک دلاؤ اوسی
مکان میں رہا قیسر سے دن کہیں چلا گیا۔ میں اس سوچ میں تھا کہ واقعی اب یہاں سے رہائی
دستور ہے اتنے میں ہاشمہ کمرہ میں آئی اور جھکو اوس زندان بلا سے نجات دلائی۔

انسپیکٹر صاحب۔ اچھا جناب اوس نوشتہ سے آنا تو معلوم ہو گیا کہ طلسمی برج رنجیت
نگر میں ہے۔ اب تلاش کر لیا گیا مشکل ہے۔

ظفر حسین۔ یہ آج کا خیال خام ہے۔ میں اتنے عرصہ سے لکھنؤ میں رہتا ہوں مگر رنجیت نگر
کا نام بھی نہیں سنا دلاؤ کہنا تھا کہ تم کو اگر آنا معلوم بھی ہو گیا تو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا
علاوہ اسکے اگر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رنجیت نگر کہاں ہے تو بھی جب تک طلسمی برج کا راستہ
میں معلوم ہوگا تو کچھ فائدہ نہیں۔

انسپیکٹر صاحب۔ رفتہ رفتہ سب معلوم ہو جائیگا۔

ظفر حسین۔ امید تو ہے مگر دلاؤ جھکو نہ پا کر بہت پریشان ہوگا۔
انسپیکٹر صاحب۔ خدا ہاشمہ کو اس خوشخوار شیر سے بچائے رکھے۔ اوسکی وجہ سے
بڑی بددلی رہی ہے۔

ظفر حسین۔ ہم تو کب جہاد بھی اوسکے ممنون احسان ہوں کم ہے۔

انسپیکٹر صاحب۔ رہنکر محبت عجب چیز ہے نہ ہاشمہ کی طبیعت آپ پر آتی
نہ یہ کامیابی کی صورت پیدا ہوتی آجکے علاوہ ہاشمہ کے اپنی اچھی صورت کا بھی ممنون ہونا
چاہیے۔ میری رائے ہے کہ کامیابی کے بعد آپ کو ہاشمہ کا ساتھ دینا لازمی ہے۔

یہ سنکر ظفر حسین نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبہ بائے۔ فورجیا
کی یاد نے دل میں جھگی کی چہرہ متغیر ہو گیا۔

انسپیکٹر صاحب یہ دیکھ کر معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے۔ پھر اس طرح کہنے لگے اب یہ
تباہی لکھنؤ تک پہنچے گا۔

انسپیکٹر صاحب۔ میرا بس ہو تو ہوائی جہاز پر بیٹھ کر لکھنؤ پہنچ جاؤں ریل کا سفر ہے
دیکھئے دلاؤ کیا آفت ڈھلے لاکھ ہوشیاری کیجئے مگر وہ اپنی سی کر جاتا ہر وہ دماغ سے کام لیتا
ہے کہ خدا کی پناہ

ظفر حسین - دلاور کو آپ کوئی سمجھتی آدمی تصور نہ فرمائیں اب اگر ہاتھ سے ملاقات ہو گئی تو دلاور کی بابت ضرور دریافت کر دیکھا کہ یہ کون ہے اور کئی ذہانت اور سکا علم اور کئی صورت ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یقینی یہ کوئی عالی خاندان آدمی ہے۔ مگر بیشیہ یہ اختیار کیا جسکی وجہ سے چاہے ڈاکو کئے یا چور۔ مگر میں بھی کوننگا کہ بلا کا بکدی ہے۔ افسوس یہ کہ ہاتھ بالکل نہ ٹھہر سکی اور اس نے کہا کہ یہاں ایک منہ لکھی ٹھہرنا خطر سے خالی نہیں۔

انسپیکٹر صاحب - ممکن ہے آپ کے خیالات ٹھیک ہوں اس میں کیا شک ہے بعض امور اسکے ایسے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شریف آدمی ہے۔ بے وجہ وہ کسی کو جتنی الامکان ہلاک نہیں کرتا۔ شجاعت حسین صاحب کو بھی اس نے قتل نہ کیا تھا۔ صرف وہ کتاب لیکر چلا جاتا تھا۔ مگر حسینی اور کلونے حملہ کیا تو مجبور ہو گیا۔ ۱۹۵۰ء میں جب اسکی لاش گومتی سے نکالی گئی اور اسکے پیشتر کے واقعات بھی مجھے ابھی طرح یاد ہیں اور میں کوئی خون نہیں ہوا۔

ظفر حسین - او میں بہت سے اوصاف اور بھی ہیں کہ ہر مذہب ملت کے قیم خانوں اور خیرات خانوں میں کثرت سے روپیہ دیتا ہے۔ علاوہ اسکے غریبوں کی بھی بہت مدد کرتا ہے۔ مگر کچھ عجیب وہ ایک شخص کی حیثیت میں ہے۔ ہزاروں آدمیوں کی اس سے دل آزمائی ہوئی ہوگی۔ ہاتھ نے جب جھکوا رہی دلاوری تو میں نے کہا۔ میں نہیں چاہتا کہ خود ہا ہو کر تم کو آ میں چسپاں کون تو ہاتھ نے کہا آپ بالکل اطمینان رکھئے آخر میں نے بھی دلاور کی آنکھیں دکھائی ہیں۔ آخر میری ہی جھوٹی بہن ہے ناصر اور زبیدہ میرے ہی عزیز دار ہیں انھیں لوگوں میں بددعا ہوئی ہے۔ میں نے اپنے چچا کی پہلے ہی تدبیر سوچی لی ہو۔

انسپیکٹر صاحب - اچھا اب ٹرین کا وقت قریب ہو لکھنؤ چلنے کی تیاری کیجئے ظفر حسین نے اوتھار کر کڑے پینے دونوں آدمی اسٹیشن روانہ ہوئے مگر کڑے لکھنؤ کی سڑکیں تھیں۔ مگر خاموش یہاں تک کہ لکھنؤ پہنچے راستہ میں بالکل گفتگو نہ ہوئی۔ جب خیریت سے کوڑا لی ہوئے تھکے تو انسپیکٹر صاحب نے کہا۔

انسپیکٹر صاحب - اب شہر میں چلکر یہ دریافت کرنا چاہیے کہ رنجیت گڑ کمان ہو۔ دونوں آدمی کیا روپے دن تک کوشش کرتے رہے۔ مگر چہ نہ چلا آخر کار ظفر حسین نے کہا میں نے ایک ترکیب سوچی ہے امید ہے کہ اب پتہ لگ جائے۔ انسپیکٹر صاحب - فرمائیے کیا تدبیر سوچی ہے۔

ظفر حسین: میو بیٹی کے دفتر چلا جائے وہاں پتہ چل جائیگا بس ذرا محنت کرنا پڑیگی۔
 اسپیکر صاحب: بہت ٹھیک اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا اچھا تو کوئی دکان
 چلے وہاں سے موٹر پر بیٹھ کر دفتر چلیں گے۔ مگر ایک بات ہے آج اتوار ہے دفتر بند ہو گا۔
 ظفر حسین: دفتر تو ضرور بند ہو گا۔ مگر بعض کلرک چھٹی کے دن بھی دفتر جا کر تے ہیں۔ کچھ
 تو کام کی زیادتی کی وجہ سے اور کچھ یہ بھی کہ آفس سے ایک قسم کی محبت ہو جا کر کرتی ہے ایسے
 لوگ زیادہ تر دفتر کے پرانے کلرک ہوتے ہیں جو چھٹی کے دن بھی آکر گھر پر کوئی ضروری کام
 درپیش ہو گیا تو دفتر ہی دیر کے لئے آفس ضرور جاتے ہیں۔ اسپیکر صاحب نے رکنے لے لے
 کی دونوں آدمی بائیں کرتے ہوئے اکبری دروازہ میں داخل ہوئے یہاں دو دوکانیں مٹی
 کے برتنوں اور کھلونوں کی آٹھ سائے ہیں دہشتی دوکان پر دیکھا کہ ٹیمپل کھڑی ہوئی ہے۔
 ان دونوں کو دیکھ کر مودبانہ سلام کیا اور ہاتھ بڑھا کر کہنے لگی: دیکھئے اس چینی میں کیا خدائی
 ہے یہ مواد کو نادر کتا ہے گھس گئی ہے۔ گھس جانے سے کئی چھوٹی تھوڑی ہو گئی۔ میں
 یہاں کھلنے لینے آئی تھی۔ گھر پر رقم بھول آئی صرف چوتنی سائے کی جیب میں رہ گئی
 آپ اس دوکاندار کو ڈانٹیں کہ سمجھ کو چینی لینا پڑیگی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ چینی پھر دیکھو
 تو اعتبار زمین کرنا گریا میں نے یہاں ہوں۔ ماموں جان اس وقت پرستے تراسکی خستہ
 ضرور لیتے غیر آپ آگئے اس لئے اطمینان ہو گیا اسکو کچھ نہ کچھ سزا ضرور دینا چاہیئے مود
 شریفوں کو یہ ایمان خیال کرتا ہے۔ جی میں آتا ہے ایک لاکھ ماموں سب برتن ڈھیسو
 ہو جاویں مگر پھر اس خیال سے کہ بچا رہ غریب آدمی ہے۔ ماموں جان کس بچے میں کسی غریب
 کو نانا اچھا نہیں اسوجہ سے خاموش ہو گئی مگر کم از کم آپ دو ایک تھپڑ اسکو ضرور مار دیں گے۔
 دوکاندار شمیمہ کی گفتگو سے چران۔ یہ دونوں آنکھ پریشان کرکس آفت کی لڑکی
 ہے جیسا کی اس قدر ہے گو کوئی بات نہیں ہم لوگوں سے سیدھے کھلی ہو۔

ظفر حسین: شمیمہ آج نرمی پھنسین
 شمیمہ: ہے ہے اندھیر ہے کیا آپ بھی اس نورے دوکاندار کی طرف ہو گئے سمجھو آپ
 سے یہ امیر نہ تھی آپ سے تو اسپیکر صاحب اچھے کہ کچھ نہیں بولتے بیچارے سے صرف
 اندھیر کی ملاقات ہو۔ مگر آپ سے قدرت سے شناسائی ہے بلکہ یہاں کتنا چاہیئے کہ ہمارے
 آپ کے یہاں آپس میں آمد و رفت ہے۔

نور جان یکم آجکل ہمارے ہی یہاں ہیں کل تک آپ بھی تھے مگر خدا معلوم کیوں بگڑ کر چلے آئے۔

ظفر حسین - زیادہ باتیں نہ بناؤ سیدھی کرتوالی چلو۔
شمیمہ - چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے میں بغیر کھلونے لئے نہ جاؤں گی۔

ظفر حسین - اچھا کھلونے لے لو۔
شمیمہ نے دو بجریان - ایک ہاتھی - دو بوسے اسطرح چار آنہ کے کھلونے خریدے

ظفر حسین نے اپنے پاس سے چوٹی دوکاندار کو دی شمیمہ سے کہا چلو۔
شمیمہ - میں اتنے کھلونے لیکر کیوں کر چلون دو ایک آپ لیجئے دو ایک انسپکٹر صاحب جو

باتی جینکے وہ میں لے جاؤں گی۔ آپ ہنس کیا رہے ہیں خدا کی قسم میں خود قرض لینا پسند نہیں کرتی۔

مامون جان کہہ چکے ہیں کہ قرض لینا بڑی بری بات ہے۔ مگر میں ایسی بھول کر کیا کروں گھوڑوں سب رقم بھول آئی۔ آپ چلے گا دیدوں گی۔ کوئی غیریت نہیں آپس میں ایسا ہی ہو کر رہا ہے۔

ظفر حسین نے ظہر انسا سب نہ سمجھا شمیمہ کو اپنے ہمراہ لیکر کرتوالی کا رخ کیا تھوڑی رو رہا کہ شمیمہ ایک دوکان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

ظفر حسین - کیوں بھی اب کیا ہے۔
شمیمہ - آپ پاس دو آنہ پیسہ اور تین سو روادے دیجئے میں سچ کہتی ہوں گھر پر میرے پاس دو اٹھتیاں ایک دو فی تین کنیاں ساڑھے تین آنے پیسے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ

ملکر کیا ہوا۔ دو اٹھتیاں کا ایک روپیہ ایک دو فی تین کنیاں ساڑھے تین آنے پیسے ب ساڑھے آٹھ آنے ہوئے۔ پس میرے پاس ایک روپیہ ساڑھے آٹھ آنے ہیں آپ کچھ

خیال نہ کریں چار آنہ وہ اور دو آنے یہ آپکے چھ آنے پیسے ہوئے آپ کو گلے لگے

باتی دو گئی۔
ظفر حسین - کب تک منٹ لگاؤ یہ تباؤ کیا لگی۔

شمیمہ - یہ بالائی کے بان تو گئی۔ دیکھئے کیسے اچھے ہیں ایک ایک آنہ ملتے ہیں۔
ظفر حسین نے بان خرید کر شمیمہ کو دیکر اور کہا "جلدی چلو۔ تھوڑی دیر میں کرتوالی

ہوئے۔ انسپکٹر صاحب نے شمیمہ کو ایک کمرے میں بٹھا کر دروازہ بند کر کے مقفل کیا

دو سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا کہ خبردار عرطی باہر نہ نکل سکے۔
 تنہا بیٹے چلا کر کہا یہ بتانے جائیے اب تک ملاقات ہوگی یہاں اکیلے میں میسری
 طبیعت گھبراہٹ کی ذرا جلد وہ پس ہونے کی کوشش نہ کیے گا۔
 اسکا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ دونوں آدمی باہر آئے موٹر پر بٹھکر قیصر باغ ہوتے ہوئے
 میسری کے دفتر پہنچے حسن اتفاق سے ایک کلرک صاحب بھی ننگے جو بیٹھے ہوئے حساب
 جوڑ رہے تھے۔

ظفر حسین - بابو جی میں تسلیم عرض کرتا ہوں۔

بابو جی - (رجو بسلام دیکر) کیوں آپ حضرات کو کیا کام ہے۔ آپ لوگ اتوار کو بھی
 بیچیا نہیں چھوڑتے۔ وارنٹیکس کیا پڑا کہ روزانہ عرضیاں آتی ہیں۔ تھوڑے زمانہ کے
 بعد ایک اسکیم پاس ہونیوالی ہے جس سے مکانات پر بھی ٹیکس پڑھیں گے۔ چاہے گھر میں پاپ
 ہو یا نہ ہو اگر مکان بند رہے روپیہ کرایہ کی حیثیت کا ہے تو وارنٹیکس ضرور دینا پڑیگا۔ پھر
 آپ لوگ اگر بھی زیادہ پریشان ہوئے۔ میونسپلٹی بھی مجبور ہے۔ قرضہ بڑھاتا جاتا ہے
 اگر پبلک سے اس طرح وصول نہ کرے تو کام کہاں سے چلے۔

فضل بک بک مسکرتے ظفر حسین نے کہا "جناب تمہارا اس سے کوئی غرض نہیں کہ پانچ
 پریکٹس کیوں پڑھا یا گیا۔ نہ اس سے مطلب کہ مکانات پر ٹیکس کیوں لگایا جاویگا۔ چاہے
 میونسپلٹی پر نہیں آنکھوں میں خاک ڈال کر روٹے تو بھی ہم کو کوئی غرض نہیں میرا ایک
 خاص مطلب آپ سے ہے۔

بابو جی - اچھا تو پھر آپ دونوں آدمی کس غرض سے آئے ہیں۔ آج اتوار ہے دفتر بند
 ہے۔ جو کچھ دریافت کرنا ہو کل آئیے گا۔

ظفر حسین - بابو جی غصہ نہ کیجئے آپ کے یہاں آفس میں لکھنؤ کا پرائیوٹ ہے صحت اتنا
 دریافت کرنا ہو کہ رنجیت لکھنؤ کا ہے۔

بابو جی - (غصہ سے) راہ جناب راہ کیا سہل کام بتایا ہے۔ علاوہ اسکے رنجیت لکھنؤ
 تو میں نے سنا بھی نہیں کہ کس چڑیا کا نام ہے شاید ضلع لکھنؤ میں اس نام کا کوئی
 موضع ہو۔

ظفر حسین نے پانچ سو روپیہ کا نوٹ نکال کر سامنے پیش کیا۔ بابو جی نے نوٹ دیکر حیرت میں

رکھا اور کہنے لگے "اسکی کیا ضرورت تھی۔ آپ فرمنا کرتے ہیں میں صرف سوچ سے
 عرض کرتا تھا کہ کام بڑی محنت کا ہے ورنہ مجھ کو بنانے میں کیا عذر تھا جبر جہان میرا
 اتنا نقصان ہوا اور ان اور سی۔ یہ کہہ کر ایک الماری کھولی۔ سینکڑوں رجسٹر اور نقشے
 رکھے ہوئے تھے تلاش کرتے کرتے چار بیگے اندھیرا ہو گیا۔ خدا خدا کر کے ایک رجسٹر ملا
 جس میں رجسٹرنگ کا پتہ تحریر تھا۔ ظفر حسین نے باخبر وہ یہ بابھی کو اور دے دیے۔ رجسٹر کے
 صفحہ سینتالیس میں تحریر تھا "رجسٹرنگ کے موضع بارہ کو کہتے ہیں جو کہ ملا کے تال کوڑھ کے
 آگے قریب دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ فوراً ایک پرچہ پر یہ عبارت لکھ لی گئی۔ دو دنوں
 آدمیوں کی خوشی کے مارے عجیب حالت تھی۔ بابھی کا شکر یہ ادا کر کے باہر آئے موٹر پر
 بیٹھ کر سیدھے تال کوڑھ کے کر بلا کی طرف روانہ ہو گئے۔ امین آباد پہنچ کر معلوم ہوا کہ
 پٹرول نہیں ہے۔ انسپکٹر صاحب کو بہت تعجب ہوا کہ پٹرول نہایت کافی مقدار میں
 تھا شاید یہ بن گیا۔ بہر حال اسکا بھی انتظام ہو گیا۔ کر بلا پہنچ کر موٹر ایک چوکیدار کے
 حوالہ کی اور پیدل چلنا شروع کیا۔ قحطی دیر میں تال کے لائبے لائبے درخت دکھائی
 دیئے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ درخت موضع بارہ میں ہیں۔ وہاں پہنچ کر تلاش کرنا
 شروع کیا کہ "طلسمی بیچ" کس جگہ ہے۔ اتفاق سے ایک برائی شاہی عمارت نظر آئی۔
 دیوار میں بالکل گری ہوئی کتین صرف کچھ آثار باقی تھے کہ قحطی ان صحیحان وغیرہ سب
 بہت بوسیدہ حالت میں تھیں دو دن آدمی اس میں داخل ہوئے کہ ظفر حسین نے کہا۔
 "میرے خیال میں یہیں سے طلسمی بیچ کا راستہ ہے کچھ دلاور نے دہوکا کھایا وہ اس خیال
 میں ہو گا کہ ظفر حسین تو دہلی میں مقیم ہیں اسکی خبر نہیں کہ یہاں اگر فتح ہو گیا۔

انسپکٹر صاحب مجھ کو تو ایک عجیب قسم کا ڈر معلوم ہوتا ہے گویا دلی بیٹھا ہوا
 ہے جسے یہ مقام کاٹنے کا مات ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے ملا و کو ہم لوگوں کی خبر نہیں دے رہا
 پہلے ہی کچھ انتظام کرنا۔

عمارت ہر طرف سے دیکھ ڈالی گئی۔ مگر کوئی پشیدہ رہستہ نظر نہ آیا۔ آخر کار ایک
 صحیفہ میں داخل ہوئے تو ایک غار نظر آیا جہاں ایک کونہ بچھا تو شیر بیان بنی ہوئی تھیں۔
 بسم اللہ کہہ دو دن آدمی اترے یہ ایک عجیب قسم کی نامور اور پھر لی سرنگ تھی برقی
 لمپ روشن کر کے آگے بڑھے تو یکایک تمام سرنگ میں بجلی کی روشنی ہو گئی۔ یہ دیکھ کر قدم

لڑکے کے نظر میں تھا کہ وہ گھبراہٹ میں سرکاری ہونے لگی آ رہی ہو۔ یہ لوگ حیرت و تعجب میں مبتلا ہو کر رہے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ وہاں ایک بڑے بڑے کی طاقت ہے یا انکی یہ کیا ہوا اس کی سمجھت کرنا ہی میں قید کیا تھا۔ یہاں کس طرح ہو چکی تھی۔ اتنے میں غصہ بھی قریب ہو چکی تھی یا نہ تو ایک چوٹی دہانے پیسے بڑھا کر کہنے لگی "فخر حسین صاحب اپنا قرضہ لیجئے آپ گھر لے جاتے تھے۔ میں بھڑک کر نہ نکلتی تھی کہ گھر پر میرے پاس ایک روپیہ ساڑھے اٹھ آنے پیسے موجود ہیں: یہ کھڑے فخر حسین کی جیب میں چوٹی اور پیسے ڈال دیئے۔

دو دن آدمی کچھ سوچ کر نہایت تیزی سے چلے تو سڑک کا منہ ایک بڑے پتھر سے ڈھکا ہوا ملا۔ پتھر پٹانے کی کرکٹ کی۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اب اپنے قید ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ اتنے میں دیکھا کہ سامنے سے وہی دفتر والے باہر چلے آ رہے ہیں یہ لوگ فوراً گھبرا کر یہی دلاور ہے ہر کوئی سخت دھوکا دیا۔ اس جانتے رہے عجیب حالت ہو گئی دلاور۔ آپ لوگوں نے تجھ پر کڑا خوب پتہ لگا یا۔ کچھ کو بھی پریشان کیا۔ خود بھی حیران ہوئے۔ مگر ظفر اب یہاں تک کھڑے رہو گے چل کر کمرے میں بیٹھو تو تجھ پر کڑا پتہ اچھی طرح بتا دیں (دو دن آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر) کمرے میں سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ نا صبر بھی، فریاد بھی ہے۔ زبیدہ بھی ہیں۔ افسوس آج دو دن میں سے کسی کے پاس جیب میں ہسٹول بھی نہیں در نہ دلاور پر ایک ایک فیض ہو رہا۔

داخلی امر یہ تھا کہ دو دن میں سے کسی کے پاس بھی ہسٹول نہ تھا۔ دو دن آدمی چاروں ناچار آگے بڑھے سڑک کے آخری سرے پر ایک کمرہ تھا جو ہر طرح کے ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ کمرے میں کئی چیلے دلاور کے بیٹھے ہوئے تھے جو دیکھ کر کھڑے ہو گئے دو دن آدمیوں کو کرسی پر بٹھایا۔ میز پر چار کا سامان رکھا ہوا تھا۔ دلاور آکر کچھ چاؤ پیو تو فخر حسین دن بھر کے سخت محنت لی اور اجرت صرف دس روپیہ کوڑا لاکھ لاکھ دلاور سے چاؤ پیو کر رہا مگر دو دن آدمیوں کے چہرے غصہ سے سرخ ہو رہے تھے۔ مگر دلاور کے ہر ایسی اس وقت موجود نہ ہو سکا تو یہ لوگ غصہ و دلاور پر چل کر نہ ٹھہر رہے تھے۔

دلاور چار پیکر کھینے لگا۔

دلاور سب نے فخر حسین میں خود کشا جو ایہ دن صرف تمہاری پریشانی دور کرنے کے لئے یہ سمجھا دیا ہے

کس طرح تم لوگ یہاں وہاں بلائے گئے۔ جب تم وہی سے غائب ہو گئے تو مجھ کو سخت تعجب
ہوا۔ یہ لگاتار پر معلوم ہوا کہ انسپکٹر صاحب بھی تمھارے ہمراہ ہیں۔ تم لوگ وہی سے لکھنؤ
آئے تو رعیت بھگت کی تلاش ہوئی مین یہ جاننا تھا کہ تم کیسے قدر زمین آدمی ہو میری سبیل
کے دفتر میں آؤ گے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ مین وہاں تم لوگوں سے بیشتر پہنچا جس مقام پر
رہیت بھگت کا اصلی پتہ تحریر تھا وہاں وہ عبارت ملتا کہ تحریر کی جہلی نقل تم نے کی ہے۔ عجب
جب تم لوگ آ رہے تھے تو رستہ میں شمیمہ ملی اسکو کو توالی مین قید کر کے دفتر ہو گئے
میرا ایک چیلڈ دفتر مین چیرا سی بنا کھڑا تھا اسکو معلوم ہو گیا تھا کہ شمیمہ کو توالی مین ہو۔
تم لوگ دفتر مین مجھے بائین کرتے رہے وہ موٹر لیکر کو توالی ہو نچا وہاں سب انسپکٹر صاحب
سے ملے کہنا "دفتر مین شام سندھ صاحب نے شمیمہ کو بلایا ہے۔ مگر کہہ رہے کہ نہایت حفاظت
سے دو سپاہیوں کی نگرانی مین روانہ کرنا"

موٹر انسپکٹر صاحب کی تھی نہ دھین کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی دو کانسٹیبلوں کی نگرانی مین
شمیمہ روانہ کی گئی۔ وہ دونوں سپاہیوں کو کھڑے والی متحرک پر تار مین بیہوش پڑے ہیں۔
جب بیہوش آگیا تو کو توالی کا رستہ اسکو معلوم ہے چلے جا دیئے۔ ہاں تو اس موٹر پر شمیمہ یہاں
آگیا۔ پھر موٹر پہنچی جگہ پہنچا دی گئی۔ مگر اسکا پٹرول نکال ڈالا گیا۔ سو مجھے کہ مین یہاں تم
دونوں ہمارے سے بیشتر پہنچا جاتا تھا وہی ہوا ادھر تم لوگ امین آباد مین پٹرول لینے کے
بے ٹھہرے مین اپنے موٹر پر جو وہ مین دفتر کے قریب ایک جگہ کھڑی تھی پچھلے تم کو قبل پہنچا
اب خوب غور سے صفو۔ دلاور سے مقابلہ کرنے کا خیال اپنے چھوٹے سے دل سے
نکال ڈالو۔ تم لوگ میرا کچھ نہیں بنا سکتے۔ اولاً تو اب تم لوگوں کی رہائی مشکل ہے۔ مگر شاید
بھگت کو رہا آجائے اور آزاد کروں تو آئندہ نجات مگر نہ تلاش کرنا اس مین بڑی بڑی جتنیں
ہیں۔ جسکا تم کو کھوڑا اور تجربہ بھی ہو گیا۔ ایک بات یہ ہے تم دونوں آدمیوں کا ساتھ رہنا
تھک نہیں۔ لہذا آج اسلئے اجازت دی جاتی ہے کہ دونوں آدمی ملکر خوب مباحثہ
کرو کہ دلاور کا مقابلہ کرنا کتنا مشکل ہے یا نہیں مگر حسین تم ہمارے طرف سے دلیل ہو انسپکٹر صاحب
تو پولیس کی ملازمت میں ہیں جہلا وہ کیوں اس بات پر رضی ہوئے۔ دیکھیں تم مین سو کسکو
فوج ہوتی ہے۔ مگر حسین اگر تم کو اپنی ذہانت پر ناز ہے تو انسپکٹر صاحب کو اپنے تجربہ پر فخر
ہے ہر طریقے سے جہاز کاٹنا ہی۔ مگر ملی بھگت کی شرط نہیں۔ مین سچ بننے کو تیار ہوں اور

فیصلہ بھی اپنا دبا رہی سے کرتا۔ مگر افسوس بھلے ایک خاص نظام کرنا ہے اس لئے جاتا ہوں رکلا کی طرف دیکھ کر ارے کچھ بچ گئے۔ اچھا خدا حافظ میں جاتا ہوں۔ آج تمہارا زبیدہ کی بہرہ دہی میں تم لوگ ہو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو خانہ بے تکلف سمجھ کر مانگ لینا۔ یہ کہہ کر اٹھا کرے سے باہر مع اپنے ہمراہیوں کے باہر آیا دروازے بند ہو گئے۔
چمن والوں سے کہہ دینا سلام اب ہم تو آخرین
نفس سے ہمسفر جب بھی تم چھوڑ کر جانا (مصنف)

باجب آردم

دہ دہ کی آرد وہی جو شہید یاس و حران ہے
دہ دہ اول ہو جسکو تم سمجھتے ہو کہ پیکان ہے

خوب بچے

ہاشمہ۔ آپ لوگ ایسا دھوکا کھاتے ہیں کہ جسکی حد نہیں ہیں بار بار کہہ چکی ہوں کہ اگر آپ نہایت احتیاط سے کام لیتے۔ ڈرتی ہوں اگر دلاور کو قدر سے شبہ بھی ہو گیا تو غضب ہی ہوگا۔

ظفر حسین۔ ہاشمہ تم ہم لوگوں پر وہ احسان کر رہی ہو جسکا بدلہ ہو نہیں سکتا اگر تم یہاں اس وقت نہ آتیں تو رہائی پانا غیر ممکن تھا۔

ہاشمہ۔ آپ مجھ کو شرمندہ کرتے ہیں بھلا میں نے کونسا ایسا سلوک کیا کہ احسان کہا جائے۔ ان اشعار اور آپ وہ وقت آنے والا ہے کہ آپ مجھے خوش ہو گئے۔ اس وقت کچھ اطمینان

مجھے قسیمہ اور موافق جان یہاں سے بہت دور کرے میں سو رہی ہوں ۱۲ بجے چکے ہیں بلکہ خبر ہوئی کہ آپ لوگ قید ہو گئے ہیں کل سے آپ لوگوں کی حفاظت میری سہیلی نے لی ہے آپ لوگوں کو نکال کر پھر اپنے مقام پر چلی جاؤ گی جو کچھ بدنامی ہے قسیمہ اور موافق جان پر ہو گی ظفر حسین۔ وہ دہ جہان کمان ہیں۔

ہاشمہ۔ وہ ہیں انہیں میں نہیں مگر ایک خاص مصلحت سے انکا پتہ نہیں بتا سکتی۔ آپ

اطمینان رکھے اور کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ان کی رہائی ہو۔
ظفر حسین۔ اگر مصلحت نہیں ہے تو نہ بتاؤ۔ مگر یہ تو بتا سکتی ہو کہ رنجیت نگر کہاں ہے اور طلسمی برج کا راستہ کدھر ہے۔
پاشتم۔ مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ میں ابھی نہیں بتا سکتی انشاء اللہ بہت جلد سب باتیں بتاؤں گی۔

ظفر حسین۔ جیسا تم مناسب خیال کرو ویسا ہی کیا جائے۔
پاشتم۔ بس یہی بہتر ہے کہ آپ لوگ نہایت احتیاط سے کام کریں دلاور جبکہ پکر بیان بھی نہ پائیگا تو پھر واقعی میں سخت کارروائی ہوگی۔
انت پکڑ صاحب۔ خوب یاد آیا یہ بتاؤ کہ دلاور کون ہے اور کسان کا رہنے والا ہے۔
پاشتم۔ دلاور کی سوانح عمری میں اچھی طرح جانتی ہوں مختصر آج سے بیان کئے دیتی ہوں۔

• دلاور کے والد جی کا نام حیدر بیگ تھا و اجد علی شاہ کے یہاں مودی خانہ کے داروغاؤں میں سے تھے جس زمانہ میں گورنمنٹ نے و اجد علی شاہ او دھ کو نظر بند کر کے گھنٹوں سے کلکتہ مٹیہا برج روانہ کر دیا تو حیدر بیگ بھی ہمراہ گئے۔ وہاں پہنچ کر اگلی بی بی نے انتقال کیا۔ عرصہ تک بی بی کے غم میں سوگوار رہے مگر پھر دوستوں کے اصرار سے دوسری شادی کی جس کے تھوڑے عرصہ کے بعد و اجد علی شاہ نے انتقال کیا۔ مگر چونکہ حیدر بیگ نے کافی سرمایہ جمع کر لیا تھا اس لئے اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ حیدر بیگ کے یہاں ابھی تک نہ پہلی بی بی سے کوئی اولاد ہوئی تھی نہ دوسری سے یہاں تک کہ شش ماہ میں دلاور پیدا ہوا۔ ابھی ہی سالی کی عمر تھی کہ باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ جس کے تین ماہ بعد ایک بڑا بچہ پیدا ہوا سب مل جل کر اس بچہ کو لڑا گیا۔ دلاور کی مان کو بھی ہلاک کیا۔ مگر گون نے بے غارث خیال کو سمجھ کر اسے ازراہ خدا ترسی دلاور کو ایک تیسیم خانہ میں داخل کر دیا۔ زمین طبیعت ہونے کی وجہ سے تیسیم خانہ کی طرف سے تعلیم سمیت ہونے لگی۔

ایک دن ککلتہ فورٹ کے قریب ٹہل رہا تھا کہ ایک انگریز جتنا نام جانسن تھا۔ گاڑی پر بیٹھے من اپنی میم صاحبہ کے ہوا خوری کو جا رہے تھے یہاں تک گھوڑے سے ہٹ کر لی اور گاڑی اٹھ گئی۔ دلاور نے اس پھرتی اور جا لاکے سے میم صاحب کو بچایا کہ اسے بالکل چٹ نہ آئی۔ جانسن صاحب بہت خوش ہوئے دلاور کا ہتہ دریافت کر کے شیم خانہ پہنچے اور دلاور کی تعلیم کا بار اور دیگر اخراجات اپنے ذمہ کر لئے انگریزی تعلیم بھی انھیں کی بدولت چل ہو گئی۔ یہاں تک کہ زمانہ نے پھر کر ڈٹ بدلی اور جانسن صاحب اور انکی میم صاحبہ پلیگ سے ہلاک ہوئے اب دلاور کا کوئی مرنی نہ رہا دل میں سفر کا شوق پیدا ہوا ایک عجیب سوداگر کی ملازمت کی اور ایران جانے والے جہاز پر بیٹھ کر ایران پہنچا۔ وہاں اس مدت تک جب تک کہ فاسی زبان ابھی طرح آگئی قیام کیا۔ اس کے بعد مصر کا سفر اختیار کیا اسات برس وہاں قیام کر کے (انگلینڈ) (انگلستان) پہنچا وہاں ایک فریڈک نے انگریز سے ملاقات ہوئی جو ایک نہایت شاطر ڈاکو تھا اسکی صحبت نے دلاور بھی اثر کیا۔

یہاں تک کہ رفتہ رفتہ فریڈک خود ایک چیلہ ہو گیا اور دلاور اپنی کار گذاریوں سے سرو دل ہو گیا۔ پرنس۔ فرنس۔ بلجیم۔ اسپین۔ اٹلی۔ روس وغیرہ وغیرہ کی سیروساحت کرتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا۔ یہاں آکر دلاور نے اپنا ایک اقامت گاہ بنایا۔ لاکھنؤ میں ماہوار حاصل ہونے لگا۔ میسجی۔ مدراس۔ ککلتہ۔ پونہ۔ احمد آباد وغیرہ وغیرہ ہوتا ہوا لکھنؤ پہنچا یہاں پہنچ کر دلاور کو چند مکانات ایسے ملے جو نہایت عجیب و غریب تھے۔ اب دلاور کو فکر ہوئی اور قریب قریب ہر شہر میں دو ایک مکانات اس قسم کے تلاش کر لئے۔ وجہ یہ تھی کہ زمانہ شاہی میں روس و سامرا کو ایسے مکانات بنانے کا شوق تھا۔ بہت سے شہروں میں خود دلاور نے اپنی جہت طبع سے ایسے ہی مکانات بنوائے۔ پرانی قیامگاہوں میں بجلی وغیرہ کی روشنی دلاور ہی کی جدت ہے۔ میں یہ کہنا بھول گئی کہ جب دلاور کو یہ مکانات لکھنؤ میں دستیاب ہوئے تو "طلسمی برج" کو تلاش کرنا شروع کیا۔ آخر کار بہت کوشش و سعی کے بعد وہ کامیاب ہوا اسوقت سے دلاور نے ڈاکہ زنی بہت کم کر دی۔

میرے والد بھی دلاور ہی کے گروہ میں تھے جنکا قریب ۴۴ سال ہوئے انتقال ہو گیا۔ میرے ماموں بین والد نے بھی دو سال ہوئے انتقال کیا۔ میرے والد کا وطن فرخ آباد تھا اور سوداگر پیشہ تھے اتفاق ایسا ہوا کہ انکو اپنے کاروبار میں کچھ نقصان ہوا اور رفتہ رفتہ بالکل دیوالیہ

ہو گئے۔ ایک دن دلاور سے ملاقات ہو گئی، اکوڑ والدہ اپنے مطلب کے موافق باکر دلاور سے اپنے گروہ میں شامل کر لیا۔ میرے ماموں پہلے ہی سے انکا گروہ میں شامل تھے غرض جتنے آدمی دلاور کے گروہ میں شریک ہیں سب ایک سے ایک قابل ہیں۔

دلاور میں یہ ایک خاص بات ہو کہ وہ حد سے زیادہ رعم دل ہے۔ سیکڑوں غربا کی پرورش کرتا ہے۔ حتی الامکان کبھی غریبوں کا خرگوش نہیں ہوا۔ دلاور کی ایک بی بی حسینہ ہے دراصل وہ اسم ہامی ہے۔ دلاور حسینہ کو اپنی جان و روح بچھتا ہے۔ ہم سب لوگ حسینہ کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ جو کچھ کہیں نے آپ سے بیان کیا یہ دلاور نے ایک دن خود میرے والد سے بیان کیا تھا۔

انسپیکٹر صاحب۔ دلاور کی سوانح عمری بھی عجیب و غریب ہے۔ ظفر حسین۔ افسوس اگر دلاور یہ ذلیل پیشہ اختیار نہ کرتا تو اسکا تعلق تھا کر بر آدمی میں بچہ نہ کچھ عجیب ضرور ہوتا ہے۔ سچ ہی ہے عیب خدا کی ذات پر۔

ہاشم۔ وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہے مگر اب بہت برہم ہو گا کہ کوئی تعجب نہیں جو مجبور ہو کر کوئی نقصان کی وہ تدبیر کرے۔ لہذا اب جہاں تک ہو سکے آپ لوگ بہت ہوشیار رہیں۔ کام کیجئے۔

یہ کہہ ہاشم ہاشمی ظفر حسین اور انسپیکٹر صاحب کو لیکر ایک نئے رستہ سے باہر نکلا۔ چونکہ شب کے درجے تھے، ظفر حسین انسپیکٹر صاحب کو لیکر اپنے بیان پہنچا اور باقی رات وہیں گناسی۔

سات گھنٹہ سونے کے بعد دو دن آدمی بیدار ہوئے انسپیکٹر صاحب آئندہ ملنے کا وعدہ کر کے کوڑی چلے گئے یہاں ظفر حسین نے سوچنا شروع کیا "مکن ہے رنجیت سنگھ آل سکھ ہے کی کہلا ہی کی طرف ہو۔ ہاشم نے کہا میں ایک خاص مصلحت سے جانا نہیں چاہتی۔ خدا معلوم وہ کیا مصلحت ہے۔ خیر کچھ بھی تو ہاشم کی وجہ سے اب امید تھی ہے کہ دلاور پر فتح ہوگی۔ یقینی اسکے قوتوں کا شیرازہ بکھرنے والا ہے۔ کچھ سوچ کر اٹھا کھڑے ہوئے پھر باہر آیا۔ خدا معلوم کونسی کشش نے زور کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک طرف چل دیا۔ یہاں تک کہ وہی دروازہ والی طرف پر پہنچا۔ عقب سے ایک مرد اسکے پاس ہو کر گذری۔ اگر فراموش نہ جائے تو کل ہی جاتا۔ ہوئے امام باڑہ یہ مہنگی کے بیرونی چھانک کے سامنے والی

عمارت کے قریب آکر کھڑی ہو گئی
ظفر حسین نے موٹر سے زبردہ اور شمیمہ کو ترستے ہوئے دیکھا۔ زمین خالی کیا۔ ممکن ہے
کہ نور جہان یہیں مقید ہو۔ موٹر عمارت کے گرد گھوم کر غائب ہو گئی۔

عمار ت میں ہو چکر ظفر حسین نے راستہ تلاش کرنا شروع کیا۔ دیوار میں ایک جگہ گول
آہنہئی تو الٹا ہوا تھا۔ درمیان میں ایک بیچ تھا اسکو گھایا تو سے کو گردش ہوئی اور ایک جانب
بہٹ گیا راستہ نمودار ہوا۔ بسم اللہ کہ اندر قدم رکھا تو ایک سنگ میں ہو چکا قریب قریب
کھینچا رہا۔ مگر کوئی خاص بات معلوم نہ ہوئی۔ زمین اس قدر چٹائی تھی کہ پیر پھیلا جا سکتا تھا۔ قصد کیا
کہ پلٹ جائوں اور الٹا کھڑا صاحب کرے مگر کون کہ یکایک ایک دروازہ کھلا اور شمیمہ یہ کہتی ہوئی
برآمد ہوئی۔

شمیمہ۔ آپ اندھیرے میں کیوں کھڑے ہیں۔

یہ کہہ کر دیوار میں دکھایا ہوا بیٹن دیا اس رنگ میں بھلی گی روشنی ہو گئی۔

ظفر حسین شمیمہ تم حد سے زیادہ چال باز اور مکار لڑکی ہو۔
شمیمہ۔ میں آئی کو کیا پریشان کرتی ہوں۔ بھلا آئی کو کیا تکلیف تھی کہ دہان سے چلے آئے۔ تعجب
انگیز بات یہ ہے کہ آپ لوگ گھر سے چلے آئے۔ کیونکہ میں نے خاص انتظام کروایا تھا۔ جہر
سے آپ لوگ بھاگ آئے وہ راستہ سوائے ہم لوگوں کے اور کوئی نہیں جانتا اچھا اب بتائیے
آپ لوگ کس طرح چلے آئے۔

ظفر حسین۔ میرے قبضہ میں ایک جن ہو اسکی مدد سے نکل آتا ہوں یہ بتاؤ کہ نور جہان
کیاں ہیں۔

شمیمہ۔ چلے آپ یہ بتائیے کہ آپ لوگوں کو وہاں سے کس طرح رہائی ملی۔ میں قسم کھا کر کہتی
ہوں اگر آپ ٹھیک ٹھیک بتا دیجئے تو میں نور جہان بیگم سے آپکو ملا دوں گی۔

ظفر حسین نے جس راستہ سے باہر آیا تھا بتا دیا اور کہا کہ وہ راستہ میں نے اپنی عقل
و ذہانت سے دریافت کیا تھا۔ یہ بات کچھ اس طریقہ سے کہی کہ شمیمہ سی لڑکی دہوکا کھا گئی
شمیمہ۔ آئیے اب آپکو نور جہان بیگم سے ملا دوں۔ مگر بالکل تھوڑی دیر کے لئے۔ ہاؤس جان
تو اگر خبر ہو گئی تو وہ بہت ناراض ہونگے۔

شمیمہ نے ظفر حسین کو ایک کمرے میں پہنچایا جسکا صرف درمیانی دروازہ کھلا تھا۔ یہاں آکر

ظفر حسین کو چھوڑ دیا اور خود باہر چلی گئی دروازہ بند ہو گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا ایک سرخ بجلی کی روشنی ہو گئی۔ کمرے کی زمین لکڑی کی تھی۔ ظفر حسین نے دیکھا کہ سامنے مسہری پر نور جہاں لیٹی ہوئی سویر ہی ہے۔ دیکھتے ہی مسہری کی طرف دوڑا ایک تختہ بچھا مسہری غائب ہو گئی۔ اور زمین پھر برابر ہو گئی یہ بیچارہ دیوانہ وار دوڑ کر پڑ گیا ابھی پریشانی دور نہ ہوئی تھی کہ سامنے والی دیوار کا دروازہ کھلا اور ہاشمہ یہ کہتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

ہاشمہ: اس تختہ میں جہاں مسہری تھی ہوئی تھی نیچے کمانی لگی ہوئی ہے۔ آپ دوڑے تو تختہ پھٹ گیا۔ اب اگر پھر زور سے قدم رکھیں گے تو تختہ اسی طرح پھٹ جائیگا۔ لہذا آہستہ آہستہ اس دروازہ سے نکل چلئے نور جہاں اب نیچے والے کمرے میں ہیں۔

ظفر حسین: میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ کسی طرح نور جہاں تک پہنچ جاؤں۔ ہاشمہ: سو ان اس وقت شبید اور موافقی جان موجود ہیں۔ چونکہ میں نے آئینہ دہان سے پوشیدہ رہائی دلوائی۔ موافقی جان اور شبید کو پھر گرفتار کرنے کی فکر ہوئی جسکے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ مجھ کو خبر ہو گئی تھی۔ میں یہاں بیشتر سے آکر قہقہہ رہی۔ نور جہاں کو یہوش کر کے مسہری پر لٹا دیا گیا تھا۔ لہذا آپ میرے ساتھ چلئے کچ آج کو ایک نئی بات دکھاؤں۔ چونکہ دلاور و بچے شب تک نہیں آسکتا اسلئے وقت کافی بچ رہا آپ نور جہاں سے بالکل مطمئن رہے صرف چند ہی روز کی اور مفارقت گوارا کیجئے۔

ظفر حسین کو لیکر ہاشمہ ایک سرنگ میں پہنچی۔ ایک کوٹھری کھوکھوٹا سا نیل مکانی۔ برابر والی سیٹ پر خود بیٹھی اور ظفر حسین سے کہا آپ چلائے یہاں کی زمین بختہ ہے کچھ خوف نہ کیجئے۔ ظفر حسین نے بیچھکر موڑ مائیکل چلا نا شروع کی۔ بیسیوں جگہ ٹراپڈ آہ دم سے دم سے پھونکے۔ خدا معلوم کہاں سے کہاں ہو چکا ایک جگہ پہنچکر ہاشمہ نے کہا بس اب روکت لیجئے۔

ظفر حسین: اب ہم لوگ کہاں ہیں۔

ہاشمہ نے ظفر حسین کو ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ اب جو غور سے دیکھا تو وہی کمرہ جہاں ایک دن پیشتر مع الشیخ صاحب کے قید تھا اور ہاشمہ نے رہائی دلوائی تھی۔ ہاشمہ: دلاور غضب کا آدمی ہے۔ کشتہ میں جتنی بھی اسکی قیامگا میں ہیں وہ سب ایک دوسرے سرنگوں کے ذریعہ سے ملی ہوئی ہیں۔ یہ خاص دلاور ہی کی جدت ہے یہ اسلئے کہا گیا ہے کہ اگر

کسی کو ان کیا مگن کا پتہ معلوم بھی ہو گیا۔ تو وہ ان پوشیدہ سرنگوں سے کام نکال سکتا ہے
 علاوہ اسکے ان سب پوشیدہ سرنگوں سے ایک ایک سرنگ "طلسمی برج" تک لکھی ہوئی ہے
 یہ بھی دلا رہی کی حدت ہے اس سے یہ فائدہ ہے اگر کسی کو طلسمی برج کا راستہ اور پتہ
 معلوم بھی ہو گیا تو وہ ان سرنگوں میں سرگردان بھرنا رہے گا۔

ظفر حسین۔ اگر یہاں سے طلسمی برج کو راستہ کیا ہو اے تو وہ ان پورے پورے
 ہاشمہ۔ گھر کے نہیں مین وعدہ کرتی ہوں کہ اسی ہفتہ میں آجکے کامیابی ہوگی۔

ظفر حسین۔ کیا تم سچ کہتی ہو۔

ہاشمہ۔ اگر وہ سچی کرے، مگر دیکھئے، کیا انعام عنایت ہوتا ہے

ظفر حسین۔ میرا رویاں روایاں تھیں احساندہ زندگی بھر تھارے احسان سے
 سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ تم نے اپنی کارکردگیوں سے میرے دل میں اپنے واسطے ایک
 جگہ پیدا کر لی ہے۔

یہ سنکر ہاشمہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد ہاشمہ
 نے کہا۔

ہاشمہ۔ اب یہاں ظفر نامناسب نہیں مکن ہے کہ شمیم یا مولیٰ جان کو معلوم ہو جائے تو بڑی
 خرابی ہوگی اب آپ قشر کھینچ لیں یہ کہہ کر ظفر حسین کو ایک راستہ سے باہر کر دیا۔

وہ یہ خوش ہیں کہ آسانی سے اپنا تیرٹھونڈ ٹیکے
 میں روتا ہوں کہ دل کھو یا ہوا شکل سے ملتا ہے (دعویٰ)

باب پانزدہم

کہ وہ دن سے نہ ماتم گیسو کوں میں بہتی ہوگی
 میری تربت میں پیدا شام غم کی تیرگی ہوگی (دعویٰ)

سرخ دھوئی

لکھنؤ والا واقعہ کو تین دن گزر گئے ہیں شب کے بارہ بجے ہیں ظفر حسین اپنے کمر میں

ایسا ہوا خیال کر رہا ہے۔ "خدا معلوم ہاتھ کا کیا شرم ہوا۔ خدا انھو استرا لیا تو نہ ہوا ہو۔ کہ دلاور کو ہاتھ کی سازش معلوم ہو گئی اور اسکو ہلاک کر ڈالا ہو۔ اگر ایسے تو بس میدان کا خاتمہ ہے۔ نہ نور جہان مسکتی ہیں نہ "طلسمی برج" کا پتہ لگ سکتا ہے۔ دلاور سچ کہتا تھا کہ رنجیت مگر کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے۔ تین دن گذر چکے ہیں، مگر رنجیت مگر کا پتہ نہ لگا۔ ان پکڑ صاحب نے بھی کوشش کی مین بھی پریشان ہوا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔"

دل کی انجمن نے ترقی کی کمر سے ابڑا کر کوٹھی کے چبوترے پر ٹھلنا شروع کیا ایک گھنٹہ اس طرح بھی گذر گیا۔ مگر انجمن کم نہ ہوئی دل میں خیال کر رہا ہے "آج کی رات بھی کسے خود اس پر خود بخود دل بیٹھا جاتا ہے۔ خدا معلوم کیا ہونے والا ہے۔ لاکھ لاکھ چاہتا ہوں کہ سو رہوں مگر پلنگ پر لیٹتے ہی طبیعت اور بگڑنے لگتی ہے۔ آج تک ایسا نہ ہوا تھا۔"

دیکھا تک کھول کر سڑک پر ٹھلنا شروع کیا۔

اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا ہے۔ لیلی شب نے کسی کے غم میں اپنے لائے سیاہ بالی بھرا دیئے ہیں۔ تارے جنگو آسمان کے چشمہ چراغ کہنا چاہتے اس وقت ظہیر حسین کی سیمینی دیکھ دیکھ کر ابر کے پردے میں روپوش ہوتے جاتے ہیں۔ یکایک سامنے سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند آدمی ایک صندوق لئے چلے جا رہے ہیں خیال کیا کہ یہ چور مال لیکر جا رہے ہیں۔

ظہیر حسین اپنے کمرے میں آیا اور پستول نیکر باہر نکلا آتے ہی ایک ہوائی زیر کیا جسکی آواز سننے ہی وہ غائب ہو گئے۔ ظہیر حسین جھبکے وہاں پہنچا برقی لمپ روشن کر دیا چاروں طرف دیکھا کسی کو نہ پایا زمین پر ایک لفافہ پڑا ہوا تھا اسکو اٹھا کر کمرے میں آیا کھولا تو ایک خط نکلا جس میں تحریر تھا۔

ناصر میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو۔ ظہیر حسین نے بہت سراٹھا رکھا ہے بیٹے لاکھ لاکھ چاہا کہ وہ خاموش ہو کر بیٹھیں مگر انکی طبیعت بہت صندی واقع ہوئی ہے لہذا خط ملتے ہی تم نور جہان کو ہلاک کر ڈالو۔ ظہیر حسین کی سزا اس سے بہتر نہیں ہو سکتی جیسے تک زندہ رہیں مار رکھیں کہ دلاور سے منہ نہ کھلایا۔ بیچبہ ہوتا ہے۔ فقط

ہلاوری باز ابرہی

خط پڑھتا تھا کہ انت آگئی ہاتھ پر دن کی فوت سلب ہو گئی۔ دل میں کہتا تھا! افسوس میری زندگی بھی کس قدر محسوس ہو رہی ہے۔

بتلے خالق ارض و سما کس کام آئیگی
مری ہستی کہ اک وقت سا ہو دنیا کے دامن میں (عزیز)

کبھی نے غصہ کیا۔ نور جہان کو کیا ہلاک کیا گیا امیر اعظم کروا دیا وہ تو شروع ہی شب سے ہنہ رنے تھے۔ نیند کا نہ آنا۔ طبیعت کا بے طرح گھبرانا اس بات کا پیش خیمہ تھا کہ ضرور کوئی نہ کوئی آفت نازل ہوگی۔ اس صندوق میں نور جہان کی نفس معلوم ہوتی تھی خط جلدی میں گر پڑا دعا باز نے خط بھیجی سے کھانسنے۔ مگر کہیں حال تو نہیں ہے لافانہ کی ہر پٹھسکر! ہر بھیجی بھیجی کی ہے۔ یہاں کا پتہ تحریر ہے۔ ناصر قیصر ہوٹل امین آباد لکھنؤ۔

افسوس! شہ نے کہا تھا۔ آپ مطلق رہیں نور جہان کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ گردہ بچاری کیا کر سکتی تھی۔ ممکن ہے کہ راز معلوم ہو گیا ہو اور اس کو بھی ہلاک کر ڈالا ہو۔ محبت نے عرض دارا تو چون کی طرح چین دار مار کر روٹنے لگا۔ جب طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی تو کہنے لگا۔ یہ سب کچھ ہے مگر مجھ کو اس واقعہ کی سچائی میں شک ہے صرف دلاور سے ہٹ کر دھکی دینے کی غرض سے یہ حال بچھا یا ہے۔ مگر ایک بات ہے کئی مرتبہ اُس کی قید سے ہم لوگ نکل آئے۔ قصہ میں کیا کر اگر اُس نے یہ حرکت کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

انہیں خیالات میں غلطان بچان ہے کہ سفید صبح نمودار ہوا۔ اٹھ کر کمرے پہنچے یہ دعا کو قوالی ہو رہا۔ انپکٹر صاحب ابھی سو کر بھی نہ اٹھے تھے خود بیدار کیا وہ گھبرا کر کہنے لگے۔

انپکٹر صاحب! کیوں خیریت تو ہے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ اتنے سو رہے کہ ان آواز ابھی تو نہ میرا ہے۔

ظفر حسین کے آواز جاری ہو گئے سب واقعہ بیان کر کے خط دیا۔ انپکٹر صاحب نے کئی مرتبہ خط پڑھا اور کہنے لگے۔

انپکٹر صاحب! تعجب ہے کہ آپ بچا ایسا سمجھدار آدمی صاف دھوکا کھا جائے
ہنہ خط دجیو ہے کہ آپ کو نور جہان سے اس قدر محبت ہے کہ دل نے ایسی نوبت کا یقین کرادیا۔

ظفر حسین! میں بھی یہ خیال کرتا ہوں کہ ممکن ہے کہ دلاور کی یہ شاطرانہ چال ہو۔ مگر

بھریہ خیال آتا ہے کہ ہم لوگوں سے عاجز آکر دلاور نے یہ فعل کیا ہو تو کوئی تعجب نہیں۔

انسپیکٹر صاحب۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے۔

ظفر حسین۔ خط ہمیں سے لکھا گیا ہے۔

انسپیکٹر صاحب۔ لائیکم لفافہ مجھ کو دکھائیے۔

ظفر حسین۔ (لفافہ دیکر) خدا کرے یہ سب واقعہ جھوٹ ہو ورنہ بڑا غضب ہوگا۔

انسپیکٹر صاحب۔ (لفافہ کا پتہ پڑھ کر) چلیے امین آباد ہوٹل میں دریافت کریں

کہ ناصر نامے کوئی شخص مقیم تھا۔

دو دن آدمی اُسے مانگہ پڑھیا کر سیدھے تیسرے ہوٹل پہنچے منیجر سے بھی

ملاقات ہوئی۔

ظفر حسین۔ آپ اس ہوٹل کے منیجر ہیں۔

منیجر۔ جی ہاں فرمائیے کیا کام ہے۔

ظفر حسین۔ آپ کے یہاں کوئی صاحب ناصر نامے مقیم تھے۔

منیجر صاحب نے رجسٹر اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگے۔

منیجر صاحب۔ وہ یہاں دو دن مقیم رہے۔ کل ایک خط آیا جسکے دیکھے ہی انھوں نے

ہوٹل چھڑ دیا۔

ظفر حسین۔ (لفافہ دکھا کر) دیکھئے یہ خط تھا۔

منیجر صاحب۔ (بہچان کر) جی ہاں یہی خط تھا۔

انسپیکٹر صاحب کو بھی اب کچھ پریشانی ہوئی ظفر حسین کا چہرہ تغیر ہو گیا۔ دو دن آدمی

بچھ کر والی پہنچے۔

انسپیکٹر صاحب۔ ہمیں کوئی شک نہیں کہ واقعہ کی سچائی کے ثبوت میں یہ باتیں

کافی ہیں مگر میں یہی کہوں گا کہ یہ سب جعل فریب ہے۔ دلاور کے نزدیک ان واقعات کا

پتہ کر دینا کوئی مشکل بات نہیں۔

ظفر حسین۔ ایک بات اور ہے اگر واقعہ سچا ہوتا تو کیا ضرور تھا کہ یہ لوگ نقش لیسکر

ذر دروغ کی طرف سے گزرتے۔

انسپیکٹر صاحب۔ میرے خیال میں جہاں وہ لوگ صندوق لیکر غائب ہو گئے تھے۔

وہاں بھی دلاور کی کوئی قیام گاہ ہے۔ بہتر ہے کہ آپ وہاں جا کر دریافت کیجے مین بھی وہیں آتا ہوں۔

ظفر حسین کو یہ سنے پسند آئی۔ فوراً وہاں پہنچ کر تلاش کرنا شروع کیا۔ مگر کوئی مقام ایسا نہ ملا جہاں یقین کر لیا جاتا کہ وہ لوگ یہاں غائب ہو گئے۔ اب ظفر حسین کو ایک خیال ہوا پید ہوا کہ موضع پارہ جہان دلاور نے مجھ کو اور انسپکٹر صاحب کو قید کیا تھا وہاں چلنا چاہیے ممکن ہے کہ ماٹھ سے ملاقات ہو جائے تو سب واقعہ معلوم ہو جاوے گا۔ اگر کوئی واقعہ بھی ہو گا تو کچھ خرچ نہیں۔

یہ خیال کر کے مانگہ پر پھٹکر تال کوٹر سے کی کر ملاکی طرف روانہ ہو گیا۔ دو کوٹریاں گج مین پہنچ کر جہان پر کہ ایک سرٹک عیش باغ سے آکر اس سرٹک سے ملتی ہے دیکھا کہ ایک موٹر سائے سے آ رہی ہے۔ ظفر حسین فوراً مانگہ پر سے اتر پڑا غور سے دیکھا تو گھنٹوں کے مشہور ڈاکٹر ہر چند اس صاحب موٹر پر بیٹھے ہوئے آ رہے ہیں۔ جب موٹر قریب پہنچی تو اشارہ سے موٹر روک لینے کو کہا۔ ڈاکٹر صاحب خلقی طور سے نہایت نیک مزاج تھے فوراً موٹر روک کر کہنے لگے "کیون کیا کام ہے؟"

ظفر حسین۔ میری اس گستاخی کو معاف فرمائیے گا۔

ڈاکٹر صاحب۔ نہیں نہیں میں کیا نقصان ہو گیا۔ آپ کام بتائیں۔

ظفر حسین۔ آپ اور کس غرض سے گئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب۔ (سکڑا کر یہ عجیب قسم کا سوال ہے آپ بہت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اطمینان رکھئے جو کچھ بھی دریافت کیجئے گا بتاؤں گا مین ایک مریض کو دیکھنے گیا تھا۔

ظفر حسین۔ مریض کہاں ہے۔

ڈاکٹر صاحب۔ ایک باغ مین جو یہاں سے قریب طیرہ فراٹنگ کے فاصلہ پر۔

ظفر حسین۔ صرف اتنا اور بتادیجئے کہ مریض کا جلیہ کیا تھا۔ آیا وہ اکیلا تھا یا اس کے ہمراہ کئی آدمی تھے۔

ڈاکٹر صاحب۔ آپ تو پولس کی طرح مجھ سے جھج جھج کر رہے ہیں۔ خیر یہ بھی بتائے دیتا ہوں۔ مریض کا لاگ کھلتا پڑا تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں ہاتھ پر سڈول۔ عمر قریب ۴۰ سال کے

تھی مریض کو درد اور دو کی شکایت تھی جسکا طبی نام عصاب ہے اور انگریزی میں ہک ڈولور و
 Tiedoulare و کہتے ہیں۔ یہ مرض سردی لگنے۔ غیر یاد مہضی وغیرہ سے ہو جاتا ہے
 مریض اکیلا تھا صرف ایک لڑکی ۸ یا ۹ سال کی تھی۔ مجھ کو ڈبل فیش دی گئی۔ دوائی میں سے
 خود مریض کو بائی۔ اب وہ بالکل اچھا ہے۔ کیون جناب اگر کچھ اور دریافت کرنا ہو تو وہ بھی
 پوچھ لیں۔

ظفر حسین مین اس رحمت دہی کی معافی چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب نے موثر بڑھائی ظفر حسین سوچا ہوا جلا۔

”اس میں کوئی شک نہیں وہ مریض دلا رہے اور ڈاکٹر شمیمہ ہے جس میں چن چاہیے
 سب واقعہ معلوم ہو جاوے گا۔ اگر کرنا رہو گیا تو بھی ہائیمہ کی وجہ سے رائی کی امید ہے۔ اگر
 خدا نخواستہ نذر جان والا واقعہ ٹھیک ہے تو دلا رہے مجھ کو ہاک بھی کر ڈالا تو کوئی غم نہیں
 اب میں ڈیڑھ فرلانگ نکل آیا۔ یہ سوچ کر اپنی جانب مڑا ایک خام شرک علی قریب ۲۰ گز اس
 شرک پر چلا ہوا کہ سامنے ایک بھاگ دکھائی دیا۔
 بھاگ میں داخل ہوا تو اتنی میں ایک وسیع باغ قریب ۳ فرلانگ سے قریب تھا
 تھا مختلف قسم کے میوہ دار درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ ظفر حسین نے ایک روش پر چلنا شروع
 کیا۔ ابھی تھوڑا ہی رہستہ طے کیا ہو گا کہ دیکھا سامنے سے شمیمہ چلی آرہی ہے۔ مگر عجب انداز
 سے آج نہ جھاک کر سلام کیا وہ مسکرا رہے بلکہ تیوریوں پر بل پڑنے ہوئے ہیں۔ قریب
 یہ سوچ کر کہنے لگی۔

شمیمہ آپ نے تجھے بہت خفگی کھلاوائی۔ ماموں جان مجھے بہت ناراض ہیں۔

ظفر حسین۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں قید میں نہیں رہ سکتا صرف ایک بات دریافت
 کرنا تھی چلا آیا۔ اگر تم نہ بتاؤ گی تو دلا رہی سے دریافت کر لوں گا۔
 شمیمہ کو ہنسی بات۔

ظفر حسین۔ یہ بتاؤ نذر جان کہاں ہیں۔

نذر جان کا نام شمیمہ خاوشا ہو گئی چہرہ او اس ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو ڈھلکا
 بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

شمیمہ۔ اب نذر جان یکم کو بھول جائیے۔ ماموں جان نے بڑا غضب کیا مجھ کو بھی حد رہا

صدمہ ہوا۔ لاکھ وہ مجھ سے نفرت کرتی تھیں۔ مگر پھر بھی جھگڑا ان سے اس قسم کی محبت ہو گئی تھی۔ علاوہ اسکے اب تو مجھ سے بھی باتیں کرنے لگی تھیں۔ جب ان کو نیند نہ آتی تھی تو میں کہانیاں کہتی تھی جسکی وجہ سے سو جاتی تھیں۔ دلاور کا ایک خط ناموں جان کے نام آیا تھا۔ بس اس کو بڑھکر نور جان، سلیم کو بارٹو، الامین روئے لگی تو جھگڑا بھی کئی بچتر بار سے خدا کی قسم خیال کرنے سے دل پھٹتا ہے۔

یہ سن کر ظفر حسین کی عجیب حالت ہو گئی شہیرہ نے اس طریقہ سے بیان کیا کہ ظفر حسین کو نور جان کی موت کا پورا یقین ہو گیا۔ پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ابھی تک تو صرف شبہ ہی تھا لگراپ جو یکایک صدمہ ہو گیا تو داغ پریشان ہو گیا آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا دل پا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ آہ کی اور چیخ مار کر مہوش ہو گیا۔
 آنکھ کھلی تو اپنے کو ایک تہ خانہ میں پایا۔ بجلی کی روشنی ہو رہی تھی آنکھ کھلے تو سامنے دلاور کو کھڑے ہوئے پایا اگر عجیب حالت سے چہرہ خاصہ سے سرخ ہو رہا ہے۔ آنکھیں لال ہو رہی ہیں۔ نہایت سخت آواز میں کہنے لگا۔

دلاور۔ ظفر حسین ابھی تک ٹال رہا تھا لگراپ تمہاری حیرتیں۔ معلوم ہو گیا کہ تمہاری عمر کا بیاناں جھٹکا گیا۔ نور جان کا تو میں نے خاتمہ کر دیا اب تم کو بھی انہیں کے پاس روانہ کئے دیتا ہوں۔ میں تم سے پہلی ہی ملاقات میں تم سے کہہ چکا تھا کہ اگر تو جھگڑتا ہے جاؤ گے تو میں نور جان کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ تم نے جھوٹ بھال کیا۔ نتیجہ جو کچھ ہوا دیکھ لیا۔ اس امید میں رہ گئے کہ طلسمی برج کا پتہ معلوم ہو جائے دلاور کو گرفتار کر لیں۔ میں نے تمہاری ذہانت کی تعریف کیا کہ وہی کہ تم کو اپنے اوپر غرور ہو گیا کہ میں دلاور پر فخر نہ ہو سکا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تم اب سے ہزاروں میری فکر میں رہتے تو دل کی آرزو دل ہی دل میں رہ جاتی بھلا تمہاری کیا حقیقت تھی کہ تم مجھ کو کسی میرے ساتھی کو گرفتار کر سکتے ہو بلکہ ہرگز نہیں معلوم کہ میں کیا ہوں۔ اگر انہی زندگی کے واقعات تفصیل سے بیان کروں تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں اور معلوم ہو جائے کہ میں کس پیمانہ کا آدمی ہوں۔ چنانچہ میرے ہائیڈین ایک شریف دل ہے۔ اس لئے چاہتا تھا کہ تم کو کسی قسم کے نقصان پہنچاؤں مرنے تک ہر وقت میرے ہنسنے میں تھے جب چاہتا تھا مرنے کرتا۔ اب تک تو میں نادم کرتا تھا لگراپ تم پریشان کرنے لگے تھے۔
 یہی ذہانت ہے جس پر تم کو ناز تھا تمہاری ہلاکت کا باعث ہوئی۔ کیون تم خوف سے کاٹ پڑے ہو۔

مگر زمین اور جہان کی موت کے صدمہ سے تم کو جا بڑھ کا بخار چڑھ رہا ہے۔ صدمہ سے کیا فائدہ
تھا کہ روئے سے وہ زندہ نہیں ہو سکتیں اگر ملنا چاہتے ہو تو تمہارا بارسل بھی بہت جلد کلا
عدم کو روند کر دیا جاوے گا۔ صرف اٹھارہ آستہ اور دیکھتا ہوں کہ خیام سندر صاحب بھی آکر
دیکھتے ہیں کہ دلاور سے مقابلہ کر لیا گیا نتیجہ ہوا ہے۔ تم لوگ کئی مرتبہ میری قید سے رہائی
پا چکے ہیں نے معلوی طور سے غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ذورن سے میں بیا تھا کچھ زیادہ
فکر نہ کر سکا آج میں اپنی جگہ اس وقت تک نہ چھوڑ دینگا کہ معاملہ کی تہ تک نہ پہنچ جاؤں مجھے
اپنے دماغ سے کافی امید ہے کہ وہ واقعات کا نقشہ اکھون کے سامنے پیش کر دے۔

اجھا اب جاتا ہوں تانوان اور رات تم اس قید خانہ میں گزارو کل تمہارا کافی انتظام
کروں گا۔ اور یہ بھی بتا دوں گا کہ بار بار تم میری قید سے کس طرح نکل گئے۔
یہ کہہ کر دروازہ کھولا اور غائب ہو گیا۔

ظفر حسین کی حالت انگشتہ تھی اسوجہ سے نہیں کہ اسکو موت کی دھمکی دی گئی ہو بلکہ درج
کی موت کا یقین ہونے سے بالکل بہ حواس ہو رہا تھا۔
لاکھ لاکھ جانتا تھا کہ بیابان دل ٹھہرے مگر توبہ کہیں اسی حالت میں قرار آسکتا ہے۔
جب روتے روتے ایک گھنٹہ گزر گیا تو دیکھا جس دروازہ سے دلاور گیا تھا کھلا اور
ایک پرچہ زمین پر گر پڑا اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

ظفر حسین صاحب آپ کچھ اندیشہ نہ کریں نور جہان "طلسی برج"
میں قید ہیں میں نے چاہا تھا کہ وہ کتاب جس میں طلسی برج کا راز تحریر ہے
دستیاب ہو جائے اسوجہ سے اب تک کچھ نہ بتایا تھا۔ لہذا مختصر طور سے "طلسی
برج" کا یہ تحریر کئے دیتی ہوں۔ ذیل کے نقش کو ملاحظہ فرمائیے۔

۲۰۰	۵۰	۳	
	۵۰	۲۰	۲۰۰
		۱۰	۲۰۰
<div style="display: flex; justify-content: space-between; align-items: center;"> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px;">۲۰۳ - ۶۲۱</div> <div style="text-align: center;">+ ۲</div> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px;">۳۳۳</div> </div>			

(۱) اور پکے ہندسوں سے جو کچھ مطلب ہے اُس سے آپ اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں لیکن اگر غیبت مگر طلسی برج کی رنجیت مگر لکھنؤ میں جہاں مسجد حضرت شہرہ ہوں اُس میدان کو گئے ہیں اسکی وجہ تسمیہ یہ ہو کہ لکھنؤ میں جب شیخ زادگان کی حکومت کا زمانہ تھا تو ایک شیخ کی رنجیت نامہ نے یہ مقام آباد کیا تھا یہ واقعہ تیسرا ہے جب سے یہ مقام رنجیت مگر کہلاتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ نام صفحہ زمانہ سے ایسا مٹا کہ شاید کسی کوئی ایسا ہو جو اس نام سے واقف ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ رنجیت مگر لکھنؤ میں کس جگہ واقع ہے۔

(۲) اُس میدان میں ایک بختہ تالاب ہے یہ بھی اُسی زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ تالاب کے اعداد ۴۳۴ ہو گئے۔

۴۳۴ سے مراد تالاب ہے۔

(۳) حوت (ل) کے ۴۳ ہو گئے اگر اُس میں ۱۲ اور ملازمین تو ۳۳ ہو جاتے ہیں اُس تالاب کے جانب مشرق ایک بلند لانا ٹیلہ پہاڑ کی شکل کا دور تک چلا گیا ہے جسکو کالا پہاڑ کہتے ہیں۔ یہ ٹیلہ لکھنؤ میں بہت مشہور ہے۔

(۴) ۴۳۴ میں سے ۲۰۳ نکال ڈالئے ۴۳۴ باقی بچتے ہیں ۴۳۴ سے جہاں اب جہین شاہ بنتا ہے یہ لکھنؤ میں ایک بہت بڑے فقیر گزرے ہیں جسکا مقبرہ کانے پہاڑ کے بائیں جانب ہے۔

(۵) سرفنا (ک) کے ۲ ہوتے ہیں اگر ۱۲ اور ملازمین ۴۳ ہو جائیگے۔
(۶) اب اگر بختہ تالاب کے ۳۲ کو جانب مشرق اُس کانے پہاڑ پر جائے گا تو حسین کا مقبرہ اُس مقام سے داہنی جانب ۳۳ گز کے فاصلہ پر پیدا ہو گا۔

(۷) شک ایک اُسی مقام پر کانے پہاڑ پر ایک گچھان چھوٹے درختوں کی بھاڑی ہے ہوں تو اس ٹیلہ پر بہت سی بھاڑیاں ہیں مگر خاص اُس بھاڑی کے نیچے جسکا میں نے چہرہ دیا ہے ایک پھر زمین میں پرست نظر آئیگا۔

بظاہر یہ پتھر دیکھتے ہیں بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے مگر بہت دور تک زمین کی نیچے چلا گیا ہے اُس پتھر کو نکالنے کا تو ایک سرنگ بنائی یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ اگر کوئی سرنگی ملے گی۔ جیسا کہ میں آپ سے ایک مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ رلاور نے اپنی جدت طبع سے لکھنؤ میں جہین قیام گاہ میں اُن سے اس سرنگ کو دوسری سرنگوں سے ملا دیا ہے۔ جو

سرنگ جانب مشرق گئی ہے اس سرنگ سے "طلسمی برج" کو راستہ کیا ہے قدم قدم پر مصیبت کا سامنا ہو گا۔ مگر نہایت احتیاط سے کام کیجئے گا۔
 دلاور نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آکر بھی "طلسمی برج" میں مقید کرے واقعی امر یہ ہے کہ وہ ان سے آپ کی کہانی مشکل تھی کیونکہ وہ ان میری مدد بھی کچھ کام نہ آسکتی ہر وقت کوئی نہ کوئی وہاں رہتا ہے۔

اس خانہ میں جان کہ آپ قید کئے گئے ہیں اسکے وحشی جانب دیوار میں ایک کھڑکی ہے جسکے بائیں پٹ پر ایک سانپ کی شکل بنی ہے اس پر ہتھ رکھ کر زور کیجئے گا تو کھڑکی کھل جائیگی۔ اب آکر ایک کمرہ لینگا اسکے سامنے کا دروازہ میں نے کھول دیا ہے اس سے نکال کر پھر ایک سرنگ لینگے جسکے سرے پر ہونچکر سیڑھیاں لینگے۔ جو ایک پختہ برسیدہ مکان میں پہنچا دیں گی۔ بس اس مکان سے آپ باہر نکل سکتے ہیں۔ اچھا خدا حافظ اگر زبردستی تو طلسمی برج میں ملاقات ہوگی۔ نور جان بھی آکر وہیں لینگے۔

اس خط کو پڑھ کر جو کچھ خوشی ظفر حسین کو ہوئی اسکو لکھنا تو باطل میں داخل ہے۔ ناظرین خود خیال فرمائیں کہ نور جان کی خیریت بھی معلوم ہوگئی۔ طلسمی برج کا پتہ بھی لگایا دلاور کی قید سے بھی رہائی پائی۔ بھلا اس خوشی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ظفر حسین نے ہاشمہ کی تحریر کے مطابق حل کیا اور اس زندان ہلا سے نجات پائی۔
 مذاق دلگداز ہی جبکہ رنگ بزم عالم ہے
 تو پردانوں کو شمع کشتہ کے ماتم سو کیا مطلب (رزمز)

باشا نردہم

ہو گئے بیہوش خود اور طور سینا جسل گیا
 شوق میں دیدار کے موسیٰ کو جانا ہی نہ تھا (رزمز)

طلسمی برج

ظفر حسین۔ انبیکر صاحب جب مجھکو یہ خط ہاشمہ کا ملا تو خوشی کی کچھ انتہا نہ تھی۔

انسپیکٹر صاحب۔ کیونکہ نہیں جس قدر بھی ہم لوگ خوش ہوں کم ہے۔
ظفر حسین۔ اچھا جناب اب حملہ کی تیاری کیجئے۔

انسپیکٹر صاحب اس لئے سیدھے سپرنٹنڈنٹ صاحب کے یہاں پہنچے واقعہ کی اطلاع کی اور ملٹر مسلح، پولس کو لیکر شہرہ کے میدان میں پہنچے ظفر حسین نے کالے پہاڑ پر بوجھ کر وہ جھاڑی تلاش کی جسکے نیچے چھتر تھا۔ پتھر کھودا گیا تو ایک بہت بڑا غار نظر آیا۔ شیرھیان بنی ہوئی تھیں۔ لہذا اندھا کر سب لوگ اترے دیکھا کہ متعدد سنگین بنی ہوئی ہیں لیکن ہاشمہ کے نوشتہ کے مطابق جانب مشرق جو سرنگ تھی اسی میں برقی لمپ روشن کے سب رنگ بڑھے۔ تھوڑی ہی دور گئے ہونگے کہ ایک جگہ ہاشمہ کو دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے دیکھا ظفر حسین نے قریب پہنچ کر خوشی میں ہاشمہ کا ہاتھ پکڑا ہاتھ پکڑنا تھا کہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑی فوراً انسپیکٹر صاحب نے اٹھایا اور ایک چیخ مار کر کہا "ظالم نے غضب کیا ہاشمہ کو ہلاک کر ڈالا۔"

ظفر حسین۔ افسوس ہاشمہ کی ہلاکت کا باعث ہم ہی لوگ ہوئے۔ نفس نکال کر باہر نکلی گئی سب لوگ پھر آگے بڑھے سرنگ کی زمین لکڑی کی بنی ہوئی تھی دیکھا سامنے سے دو آدمی برچھنے لے دوڑے چلے آ رہے ہیں فوراً انسپیکٹر صاحب نے فرمایا۔ ایک آدمی گڑا مگر گرتے ہی پھر اٹھا۔ اور اسی طرح ہاتھ میں برچھا لئے ہوئے دوڑا اب لوگوں کو خوف معلوم ہوا مگر ظفر حسین اصلیت سمجھ گیا اور اس طرح کہنے لگا "بات یہ ہے یہاں کی زمین لکڑی کی ہے اور ہم لوگوں کی طرف ڈھال ہے۔ یہ آدمی اصلی نہیں۔ بڑے کے بے ہوش ہیں رنگ دروغن ان پر اس طرح پھرا ہوا ہے کہ اصلی معلوم ہوتے ہیں جب ہم لوگ بڑھتے ہیں تو ہماری طرف دوڑتے ہیں سب لوگ اس صنعت کی تعریف کرتے ہوئے آگے بڑھے ایک جگہ سرنگ میں گڑھا بنا ہوا تھا جس میں پانی ابل رہا تھا۔ دیوار میں زخمیر لگ رہی تھی اسکو کھینچا تو سب پانی غائب ہو گیا۔ دیکھا کہ گڑھے کے درمیان ایک سوراخ ہے جس پر ایک چھوٹا سا لوہے کا تار کھابھا تھا اگر اب وہ سہٹ اور سوراخ کھلانے کی وجہ سے سب پانی اس میں چلا گیا ہے کچھ دور آگے بڑھنے پر معلوم ہوا کہ سرنگ کا خاتمہ ہے بائیں جانب ایک کھڑی ہے جسکا دروازہ کھلا ہوا ہے کھڑی بیضی شکل کی ہے اور زمین لوہے کی تھی سب لوگ اس میں داخل ہوئے۔ ظفر حسین پیچھے رہ گیا۔ دل میں خیال کر رہا ہے

کہ اس میں کوئی نہ کرنی بات ہے ابھی پورا منٹ بھر بھی نہ ہوا ہر گاہ کہ کوٹھڑی کی زمیں کو دو ایک مرتبہ جنبش ہوئی اور پھر علی کی طرح گردش کرنے لگی۔ ایک پر ایک گھر پڑا۔ کسی کا سر کسی کا سر عجیب حالت ہو رہی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حالت طغیانی میں دریا بھرتین بھونڈ پڑ رہا ہو۔

انسپر صاحب جو ظفر حسین کے برابر کھڑے ہوئے تھے فوراً بڑھے اور کوٹھڑی کی چوٹ پر ایک کیل کو دیکھا کہ کبھی باہر نکلتی ہے اور کبھی غائب ہو جاتی ہے۔ انسپر صاحب کو کھینچ لیا۔ قزوین بھائی بھی کا تاشہ رکالوگ اٹھے۔ مگر اس قائم نہ تھے کچھ دیر بعد جب حواس ٹھکانے ہوئے تو ظفر حسین نے راستہ سوچا شروع کیا۔ کوٹھڑی کی دیوار میں ایک الماری تھی انسپر صاحب کہو لا پردہ پڑا ہوا تھا انسپر صاحب کو ایک اور سرنگ ملی تھوڑی ہی دور اس سرنگ میں چلے ہوئے کبیر کے ڈھانے کی آواز آئی سامنے دیکھا تو شیر پھڑپھڑا ہوا ہے دم ابل رہی ہے۔ آنکھیں چمک رہی ہیں پہلے تو کچھ خوف معلوم ہوا مگر خود کرنے سے ظاہر ہو گیا کہ یہ بھی مثل ان دونوں رزق کے آدمیوں کی طرح ہے جو پہلے تھے شیر کے پاس سے نکل گئے اب یہ بھی سونگ ختم ہو گئی۔ بائیں جانب گڑھ تھا مگر دروازہ بند تھے کیا ایک درمیانی دروازہ کھلا اور زہر جان گھبرائی ہوئی نکلی۔ ظفر حسین دیکھ کر شاد شاد ہو گیا۔ قریب تھا کہ شادی مرگ ہو جائے۔

اور چھان۔ دلاور مع اپنے کل ساتھیوں کے طلسمی برج کے برابر ایک دالان ہے وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ مگر اسکو کوئی خوف نہیں مجھ کو خود اس نے بھیجا ہے کہا ہے کہ میں سب لوگوں سے جا کر کہوں کہ میرا دریا ان کے کا قصد نہ کرنا۔ ورنہ خیریت نہیں۔ یہ سنکر ظفر حسین سے سب انسپر صاحب نے کہا "یہ فقط اسکی دھمکی ہے اب وہ ہمارا کیا کر سکتا ہے۔ تھوڑی دیر میں گرفتار ہو جائیگا طلسمی برج پر ہمارا قبضہ ہو گا۔"

ظفر حسین تو جہان کو اپنا ایک موڑ پر بیٹھا یا کچھ پاویں کی حفاظت میں جھوڑ کر پھر سب آدمیوں سے اکوٹل گیا۔ سب آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں بجلی کی روشنی ہو رہی تھی۔ ایک دروازہ سامنے کھلا ہوا تھا۔ دیکھا کہ سامنے ایک چھوٹا سا میدان ہے۔ جسکا فرش سنگ مرمر کا ہے درمیان میں قریب ۲۰ گز قطر کا ایک گول طلائی جو ترہ ہے جس پر ایک سونیکا مربع برج نہایت تیزی سے گردش کر رہا ہے کہ اس میدان میں بجلی کی

روشنی بالکل نہ تھی مگر اس برج میں اس قدر جواہرات لگے تھے کہ تمام میدان منور ہو رہا تھا۔
برج جواہرات کی صورت سے اس قدر چمک رہا تھا کہ کسی کی نظر نہ جیتی تھی معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب
روشن ہے جو نظرون کو خیرہ کئے دیتا ہے۔

سب لوگ عالم حیرت میں پڑے ہوئے تھے کہ طلسمی برج کو دیکھ رہے ہیں کہ ظفر حسین نے کہا۔
ظفر حسین۔ یہ وقت ایسا نہیں کہ ضائع کر دیا جائے دیکھو نہ سامنے طلسمی برج کے داخلی جانب
والان میں دلا درتچ اپنے چہرہ میوں کے بیٹھا ہوا ہے سب نے فوراً اپنے بسترول درست کئے
اور اس دالان کی طرف بڑھے۔

یہ ایک دلا درتچ تھا جس کے ساتھ ہی سب چلے آئے ایک کوٹھری میں چلے گئے یہ لوگ
بھی دالان میں چھٹسکر ہوئے اس خیال سے کہ طلسمی برج پر قبضہ ہو ہی گیا ہو۔ دلا درتچ
گزرتا رہ کر لیا چاہتے۔

یہ لوگ کوٹھری میں جس میں دلا درتچ لگا تھا داخل ہوئے تو ایک سڑک نہایت تیرہ دو تیرہ
فٹ سب نہایت تیزی سے سڑک میں جا رہے ہیں کہ گھر گھر کی آواز آتی نظر اٹھا کر دیکھا تو پانی
کا ایک دھارا چلا کر رہے۔ معاذ اللہ اس وقت عجیب حالت ہو گئی گھبرا کر سب بڑے دو ایک
آکھیرن کے گھر اسٹ میں پر پھیل گئے کہ جھکو آنے والے پانی کا کفن نصیب ہوا۔ فوراً پانی
ماندہ لوگ بڑے کر طلسمی برج کے قریب ہوئے تو پانی بھی ان سب آدمیوں کے قریب پہنچ گیا
ایک دوسرے کی کسی کو خبر نہ تھی جلد سے جلد ان سرنگوں کو طے کرتے ہوئے جن سے داخل ہوئے
تھے باہر نکلے پانی تھا کہ بلا کی طرح پھیلا رہا تھا۔ تمام سرنگین دم کے دم میں پانی سے
ہر نہ ہو گئیں۔ اگر باہر نکل کر مٹی سے سڑک کا منہ پھر سے نہ ڈھک دین تو پانی باہر نکلنے لگا
وہاں پہنچ کر حواس درست ہوئے کسی کے پر پھیل گئے تھے کسی کے گھٹنوں گھٹنوں پانی پہنچ گیا
تھا ابھی اچھی طرح حواس بھی قائم نہ ہوئے تھے کہ جس پتھر سے غار کا منہ ڈھکا ہوا تھا اسکو
پانی کے پر نہ در دھارے نے الٹ کیا اور پانی طوفانِ نوح کی طرح مثلِ نوح کے اُس غار سے
نکلنے لگا۔ تھوڑی سی دیر میں سولے پانی کے اور کچھ اُس میدان میں رکھائی نہ رہا تھا۔
پانی تھا اسکی ذات تھی یا آسمان تھا

سب لوگ گھبراہٹ میں عالمِ گمراہ کے سٹیشن پر پہنچے ایک قلی نے گھبراہٹ ہوا دیکھ کر پوچھا۔

قلی۔ آپ لوگوں میں سے ظفر حسین صاحب کس کا نام ہو۔

ظفر حسین۔ کیون کیا کام ہے۔
 قلی۔ ٹھوڑی دیر ہوئی یہاں اگر ایک موڑ کھڑی ہوئی ایک آدمی نے مجھ کو ہاکر دور دوسرے
 دیے اور کہا کہ یہاں کچھ لوگ گھبرائے ہوئے آئینگے ان میں سے ظفر حسین کو دریافت کر کے یہ
 خطر دیر نہ لیا۔

ظفر حسین نے لفافہ لیکر چاک کر کے خط بہ آواز بلند پڑھنا شروع کیا۔
 ظفر حسین افسوس تمھاری وجہ سے۔ رہی۔ بنگال۔ بہار۔ اور شاہان اودھ کا خزانہ
 بر باد ہو گیا۔ آج تم کو کل تاریخ "طلسمی برج" کی سنا تا ہوں۔ خوب غور سے پڑھو پھر یہ
 بتاؤ گا کہ اب اسکا کیا حشر ہوا۔

سلطنت اودھ کی بنیاد اور پہلا فرمانروا
 تمام مورخین کا قول ہے کہ اودھ کے فرمانروا عجیب نسل کے تھے۔ پہلا فرمانروا اس
 ایک شخص محمد امین نامی تھے لظفرین حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔
 سید محمد امین جس زمانہ میں نیشاپور سے دکن پہنچے تو بادشاہ فرخ سیر کی حکومت کا دورہ تھا
 وہاں میں سادات بارسہ کا طوطی بول رہا تھا اسلئے اگر وہ کی فرمانروائی محمد امین کو ملی۔
 (۱) سعادت خان (برہان الملک) ۳۹۳-۳۹۴ھ

چونکہ سلطنت مغل کا زوال شروع ہو گیا تھا ہر صوبہ خود مختار ہوتا تھا اس زمانہ میں
 محمد شاہ رگیلہ دہلی کی سلطنت پر نام چار کو بادشاہ رہ گئے تھے۔ اسوقت لکھنؤ کے شیخون نے
 بغاوت کا جھنڈا بلند کیا جنکی سرکوبی کے لئے نواب سید برہان الملک روانہ کئے گئے۔

برہان الملک ہیلکا کوری پہنچے۔ یہاں کے شیخون کی مدد سے جو لکھنؤ
 والوں سے اور خلاف تھے خلیفہ دیا۔ بغیر کسی رٹائی کے قبضہ ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ
 میں اطراف کے علاقے بھی فتح ہو گئے۔ اور زیر حکومت آ گئے۔ اودھ کی سلطنت کا انتظام
 برہان الملک نے کچھ اس طرح کیا کہ رعایا خوش۔ زمیندار بحال۔ سوداگر تپاش غرض کہ صوبہ
 بھر میں امن و امان قائم ہو گیا۔ اس زمانہ میں لکھنؤ چند دہاتوں سے ملکر بنایا تھا جسکی آبادی
 صرف ۱۹۹۵ تھی چو کہ لکھنؤ کی سر زمین کو ایک دن اودھ کی دار السلطنت ہونا تھا۔
 اس لئے چاہے ہی سے اسے سامان ہوئے کہ برہان الملک نے عین بیمار ہوئے فیض آباد
 سے لکھنؤ میں آکر رہنے لگے۔

ہریان کی آیت دہولے نے گجراتی کا کام کیا اور برہان الملک کو شفا ہوئی۔
 چونکہ اس زمانہ میں ہر طرف بغاوت ہو رہی تھی ایک روٹ چھی ہوئی اس روشن خیالی فرزند
 نے جاکر ایک ایسے خزانہ کی بنیاد ڈالنا چاہیے جسکی خبر سوائے خپدار کین سلطنت کے اور
 کسی کو نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایک نقش بنایا گیا جس سے اس خزانہ کا راز سوائے وارثان
 سلطنت کے اور کسی کو نہ معلوم ہو سکے۔ شمس الدین خزانہ طلسمی برج کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس
 زمانہ میں خزانہ بالکل مصلیٰ حیثیت کا تھا رفیعہ رفیعہ اسکی ترتیب کیونکر ہوئی یہ تم کو کئے بڑھکر
 معلوم ہوگا۔

ذی الحجہ کی آخری تاریخ ۵۳۹ھ کو برہان الملک نے ہیشہ کے لئے دنیا کے فانی کچھ کر
 ملک عدم آباد کیا۔

(۲) صفدر جنگ ۵۳۹-۵۴۰ھ

برہان الملک کے کوئی اولاد نہ تھی اسلئے سلطنت کے دو دعویدار شیر جنگ (بھتیجے)
 اور صفدر جنگ (بھانجے دو امار) پیدا ہو گئے تھے صفدر جنگ کو ہوئی انکا پورا نام محمد تقیم
 تھا اور جعفر خان بیگ کے بیٹے تھے صفدر جنگ کی حکومت کا زمانہ نہایت بد امنی کا تھا۔
 مگر پھر بھی صفدر جنگ نے ۹ کروڑ روپیہ کے جوہرات کی زیادتی خزانہ میں کی۔
 گھنٹوں کے بجائے کی بنیاد صفدر جنگ نے ڈالی تھی۔ مگر آصف الدولہ نے مکمل کیا
 فیض آباد صفدر جنگ نبی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اکتوبر ۵۳۹ھ میں انتقال کیا

(۳) شجاع الدولہ بہادر ۵۳۹-۵۴۰ھ

انکا اصلی نام جلال الدین محمد مرزا اور خطاب شجاع الدولہ تھا برہان الملک
 کے نواسے اور صفدر جنگ کے بیٹے تھے۔ تاریخ ولادت یہ ہوئی۔

زودو تھانہ نواب منصور

برآمد نواب از مطبع نور

انکانیر قبائل ہندی پر تھا انھیں کے زمانہ حکومت میں ہندوستان کی دولت
 اور زمین اس طرح تھیں کہ جس طرح مقناطیہ کی کشش سے لوہا کھینچتا ہے سلطنت منگل کا بالکل
 زوال ہو گیا تھا۔ مہاتی کے فرمانروا شہزادہ و شاہ عالم کی بغیر اجازت انگریزوں نے جنگ

پلاسی شہر کے بعد میر جعفر کو بنگال کا صوبہ دار بنادیا تھا یہ بات شاہجہاں عالم کو نہایت ناگوار ہوئی۔ شجاع الدولہ کو ساتھ لیکر بنگال پر حملہ کیا۔ مگر شکست ٹانٹن ہوئی شاہ عالم خوف ہوا کہ خدا معلوم اگر زبا میر سے ساتھ کیا سلوک کریں اس لئے دہلی چھوڑ کر اور دھرم رہنا شروع کیا۔

جب دہلی چھوڑ کر اور دھرم رہنا شروع کیا تو کہ ہمیشہ کے لئے بدروا بش یہاں نہ رہی مگر پھر بھی اپنے تمام پیش ہاں خزانہ اور دھرم میں نے آئے اور اپنا دوست سمجھ کر شاہ عالم نے شجاع الدولہ کی سپردگی میں چھوڑے۔ اس طرح شجاع الدولہ کو ایک ایسی دولت کی ترہا تھ گئی جو سیکڑوں برس سے شاہان دہلی پوشیدہ رکھتے آئے تھے اب خزانہ "طلسمی برج" میں روز افزون ترقی ہونے لگی اس دولت کے ملنے سے خزانہ میں جا رہا ملک گئے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سولے جواہرات کے اور کوئی چیز خزانہ میں نہ رکھی جاتی تھی۔ اگر ان جواہرات کی قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے تو اس طرح سے کہ وہ نور جہاں شہرت دنیا بھر میں ہے اسی خزانہ کا صرف ایک ہیرا تھا۔

۱۶۹۱ء میں انگریزوں نے میر جعفر کو کسی قابل خیالی نہ کر کے میر قاسم کو بنگال کا صوبہ دار بنا دیا۔ کچھ دنوں تک تو میر قاسم انگریزوں کی موافقت کرتے رہے مگر پھر رفتہ رفتہ فرانسیزی فرج بھڑا شروع کی۔ جو حقوق صرف انگریز ہی تیار کرتے تھے وہ میر قاسم نے عام کر دیئے جنکی وجہ سے کچھ کو نقصان پہنچا۔ میر قاسم تو چاہتے ہی تھے کہ انگریزوں سے بگاڑ ہو اسلئے یہ ہانا اور ہاتھ آیا انگریز بھی رٹنے پر تیار ہو گئے۔ میر قاسم نے اور دھرم کی طرف رخ کیا۔ یہاں ہو چکر میر قاسم اور شجاع الدولہ نے فرج کی باقاعدہ دستبرد لی۔ اور کچھ سے مقابلہ کے لئے چلے۔ انگریزوں سے مقام بکریہ ۱۶۹۲ء میں مقابلہ ہوا اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی رٹا کی میں انگریزوں کو شکست ہوئی مگر شکست ایسی نہ تھی جو شکست کہہ سکتے ہیں۔ میدان میں میر قاسم اور شجاع الدولہ اپنے جانتاروں کی نشانی دیکھتے اور دن و کفن کا انتظام کرتے خود نکلے ہر شخص کی نفس دیکھتے اور فوس کرتے۔ تمام فرج بالکل بے خبر ہو کر اطمینان سے بیٹھ رہی کہ یکایک انگریزوں کی ہریمت

ہنرمیت خورہ فروج پھیر سٹ آئی اور حلقہ کر دیا۔ یہاں کوئی تیار ہی نہ تھا جب تک ہر قلع قمع ہو گیا۔ شکست فاش ہوئی۔

اب کیا تھا میرا ان سے پیر اکھر کے سوائے بھاگنے کے اور کوئی چارہ نہوا۔ اس شکست سے شجاع الدولہ کھانے میں نہ رہے بلکہ انھیں تین سو اسی اتھی جن پر مرشد آباد کی صد ہا برس کی دولت اور کمائی بار تھی خزانہ اور زرہ جواہرات خراجا نے کیا کیا نفائس تھے ہاتھ لگ گئے۔

کہتے ہیں کہ جب میر قاسم کی دعوت شجاع الدولہ نے کی تو اپنے باپ پٹنے کا گلاس اور رکھا اور میر قاسم کے لئے جواہرات سے مرصع ایک گلاس علیحدہ رکھا یہ گلاس اس قدر بیش قیمت تھا جیسے شجاع الدولہ کو ناز تھا میر قاسم کو کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی ہاتھ میں گلاس کو اس زور سے پکڑا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ شجاع الدولہ نے زبان سے تو کچھ نہ کہا۔ مگر چہرہ متغیر ہو گیا۔ میر قاسم نے اپنے خزانہ دار کی طرف اشارہ کیا اور وہ چوہہ ویسے ہی گلاس لیکر حاضر ہو گیا۔

اب خدا معلوم ان تین سو اسی ہاتھیوں پر کیا کچھ نہ ہو گا۔ مرشد آباد خاص طور سے جواہرات کے لئے مشہور ہے۔

جس کی نطائی کے بعد پھر میر قاسم نے اور شجاع الدولہ نے ملکر انگریزوں پر یہ مقام کر رہا پر حملہ کیا مگر شکست ہوئی۔

اس شکست کے بعد کسی مورخ نے یہ نہ لکھا کہ میر قاسم کا کیا حشر ہوا کیونکہ وہ ایسے غائب ہوئے کہ پھر پتہ نہ لگا۔

اس طرح مرشد آباد کی بے انتہا دولت شجاع الدولہ کے ہاتھ لگی جو "طلسمی برج" میں رکھی گئی۔

شجاع الدولہ نہایت زبردست اور فہم آدمی تھے اس لئے فراب فرخ آباد اور خزانہ بنگال کی رائے سے شجاع الدولہ میں بمقام بنارس انگریزوں سے صلح نامہ ہو گیا۔ جسکی رو سے ایک دوسرے کا مددگار ہو گیا۔

لکھنؤ میں پوری۔ اودھ بنارس۔ غازی پور۔ فتح پور۔ کانپور وغیرہ وغیرہ
شجاع الدولہ ہی کی عہد حکومت میں اچھی طرح قبضہ میں آئے۔
آخر کار ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء کو ٹھٹھی برج کے خزانہ کو ترقی کے آخری زمین پر
پہنچا کر انتقال کیا۔

(۴) آصف الدولہ ۱۷۷۵-۱۷۹۶ء

شجاع الدولہ کے مرنے کے بعد ان کے بڑے بیٹے آصف الدولہ تخت نشین
ہوئے۔ ابھی تک اودھ کے حکمران فیض آباد ہی میں رہتے تھے۔ مگر آصف الدولہ
نے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ آباد کیا۔

اب کیا شہنشاہ عہد کے بقیے شاہی دفاتر تھے وہ لکھنؤ میں اٹھ آئے۔ تھوڑے ہی
زمانہ میں دہلی آگرہ۔ فیض آباد وغیرہ وغیرہ سے ہرن کا کامل لکھنؤ میں آگیا۔ آصف الدولہ
سچی حکمران ابھی تک اودھ میں نہ ہوا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ آصف الدولہ کو
سخت مشکلیں پڑیں جن میں روپیہ کی شدید ضرورت تھی مگر اس نیکدل بادشاہ
نے اپنے اجداد کے جمع کئے ہوئے خزانہ کو نہ لٹایا۔

انھوں نے نہ صرف جو عورتیں لکھنؤ میں نہیں وہ حسن باغ۔ عیش باغ۔ ایک موجود
ہیں۔ بلکہ خانہ بیابا پور کی کوٹھی۔ چنٹ کی کوٹھی کے ایک کچھ آثار موجود ہیں
آج کل وہ آصفی اور مولوی دروازہ میں جو صفت رکھی ہے لیکن اتنی بڑی عمارت
اور گڑھی کیا نام بھی نہیں۔

اسکو دیکھ کر بڑے بڑے یورپین انجیر حیران رہ جاتے ہیں آصف الدولہ بہادر
۱۷۱۷ء میں انتقال کیا۔

(۵) سعادت علی خان ۱۷۹۸-۱۸۰۱ء

جب انکو تخت نشینی ہوئی تو چونکہ آصف الدولہ کی فیاضی کی وجہ سے زندگی
میں عشرت میں گزار رہے تھے وہ حراسان اور پریشان ہو گئے۔ انھیں کے زمانہ
حکومت میں لارڈ ولزلی نے جبراً اودھ کا ایک بڑا حصہ لے لیا بہت سے
تسکرت بھی لے جھین لے گئے اس فراخ دل حکمران نے لکھنؤ میں بہت سی عمارتیں
بنوائیں۔ رکشا۔ حیات بخش۔ دارالشفائے کمالی کوٹھی۔ دارالرشاد۔ دارالوہاب۔

طبرہ کی کٹھی۔ موتی لال۔ دلازم۔ خورشید منزل قصر السلطان۔ سلی گارو۔ ابھی تک اس بادشاہ کی یاد قائم کئے ہوئے ہے۔ درگاہ حضرت عباس اور گریلا کے تالی ٹھوڑے جو کھنڈھین سب کر بلا کھن سے زیادہ مقبول ہے۔ سعادت علی خان بھی کی بنوائی ہوئی ہے اور بعینہ تک سلسلہ عزاداری کی رسم کھنڈھین سعادت علی خان بھی کی قائم کی ہوئی ہے "طلسمی برج" کے خزانہ میں سے اٹھنوں نے بالکل کچھ نہ لیا ۲۴ رجب ۱۲۲۹ھ دو شنبہ کے دن انتقال کیا۔ کسی نے تاریخ وفات کی۔

آہ شد گنج سعادت در زمین
۱۲۲۹-۱۲۸۱ھ

(۶) غازی الدین حیدر
سعادت علی خان کے بعد اس کے بڑے بیٹے۔ شاہ زمن غازی الدین حسین نے تخت نشین ہوئے۔ انکی دوران حکومت میں صحت قابل تھوڑی بات ہے کہ ابھی تک او دھ کے حکمران نواب کے خطاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ مگر انکو انگریزوں کی طرف سے ۱۱۹ھ میں شاہ کا خطاب ملا۔ انکا زمانہ حکومت نہایت امن و امان کا تھا اٹھنوں نے خزانہ کا کچھ حصہ بھی اہود و لعب میں خوب اڑایا۔ انکی بنوائی ہوئی عمارتوں میں سے شاہ نجف نہایت اچھی حالت میں ہے۔ فرخ بخش اور لال بارہ درسی کے درمیان میں ایک سہر بنوائی تھی۔ جس میں دوستی سے ایک انجن کے ذریعے پانی آتا تھا۔ ۱۲۲۹ھ میں انتقال کیا اور شاہ نجف کے امام بارگاہ میں دفن ہوئے تاریخ وفات ۱۲۲۹ھ گشت تاریخ مصرعہ المستلا

لے با آرزو کہ خاک شہد

۱۲۲۹-۱۲۸۱ھ

۱۲۸۱ھ شاہ زمن نصیر الدین حیدر
انکا خطاب سلیمان جاہ تھا۔ حد سے زیادہ معرفت اور سے فروش تھے سعادت کو دوست رکھتے تھے۔ انگریزی سوسائٹی بہت پسند کرتے تھے۔ طلسمی برج کے خزانہ سے ایک جہ نہ لیا۔ بلکہ متحدہ پیش بہا چیزوں کو روپ سے منگوا کر خزانہ کیا۔ انکی والدہ بادشاہ بیگ صاحبہ سے اسے بہت لڑائی ہوئی۔ اسے "طلسمی برج" کے قریب مٹھ آتین اور شہرہ کی مسجد بنوائی۔ یہاں ایک قلع بنوایا۔ جس کا اب نشان بھی نہیں۔ ۱۲۸۱ھ میں انتقال کیا۔

(۸) محمد علی شاہ ۱۸۳۲ء
 یہ ناصر الدین حیدر کے چھوٹے بیٹے تھے۔ ضلعی میں خان حکومت ہاتھ میں آئی۔ سید
 زائد و ہر سب زگار تھے۔ حنین آباد کا امام ہارہ انھیں کانوا ہوا ہے۔ انھوں
 نے کپڑی کے پاس کچھ روپیہ رکھ دیا تھا جس سے لوگ کر بلا کے محل مشہد مقدس
 وغیرہ ابھی تک جاتے ہیں۔
 متحد دغرا اور میوہ غور تین ان کے روپیہ سے ابھی تک پرورش پا رہی ہیں
 ۱۸۳۶ء میں انتقال کیا۔

(۹) محمد علی شاہ ۱۸۳۶-۳۷ء
 محمد علی شاہ کے بیٹے تھے۔ اس کے دوران حکومت میں کوئی خاص بات
 نہیں ہوئی۔ ۱۸۳۷ء میں انتقال کیا۔
 حضرت گنج انھیں کا آباد کیا ہوا ہے۔ سبطین آباد کا امام ہارہ بھی انھیں
 نے بنوایا۔

(۱۰) واجد علی شاہ ۱۸۳۷-۳۸ء
 محمد علی شاہ کے بیٹے تھے۔ گوکہ یہ نہایت بچہ و شہیم تھے۔ مگر ان سے زیادہ خوبصورت
 بادشاہ اور دھرم کوئی نہ ہوا۔ یہ آخری فرمانروا تھے۔ گورنمنٹ نے ان کو ناقابل
 خصل کر کے نظر بند کیا اور ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر کے ٹیابرج روانہ کر دیا۔ جہاں
 رنگیلی طبیعت کے تھے۔ سیکڑوں محل تھے۔ قصیر باغ انھیں کا بنوایا ہوا ہے۔ یہاں
 زمانہ میلہ ہر سہتہ ہوا کرتا تھا۔ ٹیابرج ہی میں انتقال کیا اور وہیں دفن بھی ہوئے۔
 جب کلفوسے یہ جانے لگے تو اپنے ہمراہ طلسمی برج کا تھوڑا سا مال بھی لیتے گئے
 مگر ان کے راز سے کسی کو آگاہ ہی نہ دی۔

۱۹۱۳ء میں طلسمی برج میرے قبضہ میں آیا۔ ظفر حسین تم لہجہ جانو کہ میں نے
 اس خزانہ میں سے ایک پیسہ بھی نہ لیا۔ بلکہ جواہرات کی زیادتی لے آگیا۔ میں ہرگز نہ چاہتا
 تھا کہ میں خزانہ کو نشانہ بنوں اور وہ جان کے برابر عزیز سمجھتے تھے۔ وہ ایک غیر قوم کے تھے
 کے طلسمی برج کے قریب ایک جھیل ہے جو لہجہ کی جھیل کہلاتی ہے اس سے

اک سرنگ طلسمی برج سے ملی ہوئی ہے۔ اور پھر وہی سرنگ کو تہی تک لگتی ہے جو وقت میں لے دیکھا کہ تم یہاں پر برج کے لڑا اس خیال سے کہ طلسمی برج کو بھی اپنی آنکھ سے دیکھ لو جسے کیرن وہ جاوے میں نے تم کو ہلاک نہ کیا اگر میں جاہست تو تمہارا خاتمہ کر سکتا تھا۔ تو نے طلسمی برج میں جھکو دیکھا چھپا کیا میں اس سرنگ سے ہو کر باہر نکلا اور سرنگ کا منہ جو کو متی سے ملا ہوا تھا اس کا باز کھول دیا سرنگ بالکل ڈھالوان بنی ہے پانی آنا شروع ہوا۔ اب تم کو سوائے کچھ سرنگوں کے طلسمی برج کا نشان بھی نہ ملے گا۔ طوفانی پانی کی موجیں تمام جاہرات کو کو متی میں ہلکے لے گئیں۔ اس طرح سے طلسمی برج کا تھوڑی وجہ سے خاتمہ ہوا۔

ہاشمہ کا حال جھکو معلوم ہو گیا تھا۔ افسوس کو بغیر میرے حکم کے اس کے چچا نے اسکو ہلاک کر ڈالا اور نہ میں ہلاک نہ کرنا بلکہ کوئی اور تدبیر کرتا۔

اب میں تم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ میری سسکھڑ دن ایسی قیام کاہن میں جہان آرام سے زندگی بسر کر سکتا ہوں۔
اسطرشام سند کو میری طرف سے کہہ دینا۔

نور جہان کو میں نے تمہارے پاس روانہ کر دیا تھا۔ اچھا خد خافظ

راستم
دلدار

ظفر حسین نے خط نام کیا سب کو طلسمی برج کے غارت ہونے کا صدمہ ہوا۔ ان بھربانی اسی طرح میدان میں پھیلتا رہا۔ دوسرے دن جب پانی کم ہوا تو جاگر لکھا سرنگیں بالکل گر گئیں تھیں۔ طلسمی برج کا کہین پتہ و نشان بھی نہ تھا۔
چند جاہرات کی کچھ چسپنہیں دستیاب ہوئیں جو ولایت روانہ دی گئیں۔

ظفر حسین کی والدہ دہلی سے لکھنؤ آگئیں تھیں۔ نیک دن اور نیک امت دیکھ کر ظفر حسین کا عہد نور جہان کے ساتھ ہوا۔ عہد کے دن دلدار کا ایک خط مبارک باد کا ظفر حسین کے نام پہنچا۔ تمہیں نے بہت بہت بلام لکھا تھا۔

ہم بھی ناظرین سے رخصت ہوتے ہیں۔

تیری زلفوں کے تصویر میں مزہ مٹا کا تھا
کھل گئی آنکھ تو پھر خواب پریشان نہ رہا
(رزمیہ)

قط

تہام شد

سید باقر رضا جوش لکھنوی



ہادیو پرشاد تاجر کتب لکھنؤ

۱۹۲۳ء

عنریات

شاید اب کہدین مصیبت یہ پریشانوں کی
 شمع کستی ہے یہ رو کہ نہ جلاؤ گھسکو
 آپ کے کشتہ غم کا تھا جہاں پر مدفن
 یاسین جبکہ مرے آن نہ زبان سے نکلی
 زون آنکھیں ہیں نشیلیں تو گنگا ہیں محمود
 شمع خاموش ہوئی صبح کو روتے روتے

اب پتہ کھوئے ہوئے دل کا نہیں کچھ ملنا
 جوش نے خاک بھی جھائی ہی پایا زون کی

کیون غم ہو میں بلا سے اگر دج ہو گیا
 سینہ کا زخم کرتا ہے تھوہینا آب تیغ
 دیدار نہ پیرا حجام سے رویا چتا محسوس
 مرجن نے بحر حسن کی طوفان بپا کیا
 اور آلودن کا تصور رہا جو آج
 جو خون سہ گیا تھا دل ہیستہ رارین

پہچا جو اس نے دل ہے کہاں جو ملے گا

پہلو میں تھا مگر تری بھل میں کھو گیا

نہ رو کہ سے رکا طوفان حسرت غیرت ان سے
 دم نہ بیت سنوارا کچھ گیسو چو شیا ری سے
 سر ہٹا گیا کیون نقاب تیغ کو چہرے سے
 خبر تم نے نہ لی زندان میں ٹھٹ کر مر گئے قیدی
 لڑو دلیکی سفینہ دل کا چنڈ گھری ہوئی سائین
 تعجب کیا یمن کبرق حسن افترا فنا کرے

کسی دربار میں جاری ہمارے دگر چھانوں سے
 کہ لاکھوں دل بھی وہیستہ کھو گداں بالوں سے
 فنا تو ہو گیا اور پھر شکایت مرزا لاون سے
 لپٹ کر طریان تک روری میں مرزا لاون سے
 ہوا کی چھتر میں طوفان اٹھیا کارنگ چھانوں سے
 کہ ایسا ہی تو اک قصہ ستا ہے طرد لاون سے

کلاحو کا ٹکرا سے جوش مرجانہ ترا چھا ہو
زمانے میں نہ رسم و راہ رکھے خوش بجا رہے

صفیہ عالم ہو سادہ میرے مرجانے کے بعد
شعشع نے ہستی کو اپنی بھی کیا آئینہ فنا
ختم ہیں دنیا کے قصے ایک قصا نے کے بعد
اس قدر عقل ہیں روئی شب کو چلنے کے بعد
آہ نے تاثیر کی گز میرے مرجانے کے بعد
خاندانہ نہ بچیر بھی دیران پر دیوانے کے بعد
طبیبہ شہر خوشان کا ورق اس لئے گا جب
ہر ہمار زندگی درد کی بھر فصل شران
کمر ہے ہیں پھول تربت کی یہ چھانے کے بعد
دل کی دنیا مٹ گئی سب حسین مردہ ہوئیں
خاک ہی اڑنے لگی پیکان نکل جانے کے بعد

جو دیکھا آئینہ پہلے پہل اُس نے جوائی میں
بھی ہوئی جو آئی ہے کلیہ بندہ کو آتا ہے
نظر آتے ہیں دکھنے دل کی شکون کی دوائی میں
زبان تلخ بھی کائی گئی ابس نہ گائی میں
موقع در دکا ہر نقطہ ہے اُس کی کمالی میں
ادھر انگریز کی ظالم نے جب جوش جوائی میں
عجب طوقا ہے قاتل تیرے خیر کربانی میں
عجب بہت ملی تھی بھکھوئی جوش دنیا میں

کوپائی اکیدم کی بھانہ رخت زندگانی میں

ارنی گرسے زبان اپنی سینھالی نہ گئی
زنج کر سنے میں ظالم نے نہ سرکائی نقاب
میں رہ تھا کشتہ حسرت کہ فنا ہونے پر
کیا کرو گے نہ تیرم ذبح ہو لیس جاؤ
میری آہوں نے کچھ اس طرح ہوائیں باندھیں
تا کہ لب دل تو مرا لکھنے کے لائیں آہیں
وقت آخر جو انھیں دیکھ لیا تھا میں نے
یوں بخش آیا کہ نظر طور بڑھالی نہ گئی
میری حسرت دم آخر بھی نکالی نہ گئی
چادر گل بھی مری قبر پر ڈالی نہ گئی
اتنی سی تیغ بھی جب تم سے بھجالی نہ گئی
یہ میں مریخ پر نقاب کہ پے سے ڈالی نہ گئی
پھانسی ترکان کی مگر ان سے نکالی نہ گئی
بند مرنے کے بھی چہرے سے بجاتی نہ گئی

ناولوں کی فہرست مفت معکام

خونی بھید زہ جواہر کا خواب جھلے دست برد کے لئے بیتاب ہیں۔ ایک بوڑھے رویہ
دستاویز کو تحریر بنائے ہوئے بھرتے ہیں اور جوئے کے لئے راکھی حسین عاشقان زور کے پھندے
خونی مشہر اوہ سائیس کے کرشمہ جن چہرہ ہفتہ اسکے بر لطف نظارے۔ زناہت کی چاشنی
رقیب بواہوس کے جوڑ توڑ۔ مسیتھی کا جادو۔

قلم یورپ فاتح عظیم نہیں بلکہ پارہ کی کامیابی کا راز۔ اس کی زندگی کے رنگین واقعات
جو ریاضات اور فراہن کے نامور مدبروں کے حالات خطرناک جاسوسی حین و عشق۔

مشرق ادب لکھنؤ اور دہلی بلکہ تمام ہندوستان کے شہر پرچین نامور اہل قلم کے پڑاؤ
مظہر نایاب مجموعہ ہے۔
دو در فلک۔ لکھنؤ کا درد انگیز واقعہ محبت کی پاک تصویر بن عبرت کا مرقع تعلیم سنوان
سکالہ ایمر و داغ کا موازنہ۔

امین و مامون اردن رشید کے دونوں لڑکوں کی جنگ ایرانیوں کا آمون کو مدد
بارسیول اور عربوں کی سیاسی کشمکش حین و عشق۔

ابن طولون مصری اسلامی حکومت کے سیاسی واقعات قطیوں کا طرز معاشرت
عیسائیوں سے انصاف۔ پاک محبت کے جذبات رقیب بواہوس کی ریشہ دو انیان۔

عروس فرغانہ حین و عشق کے دلگداز مصری افسانہ کا ترجمہ حین بین خلیفہ معتمد باللہ کے
حکومت کے برسر واقعات فدائیان ملک ایرانیوں کی حکومت سلطانون اور رویوں کی
اندنی جاسوس مصر کی فسادات کا انکشاف سراغ سافون کی کامیابی۔ سازش کنا
روایہ و تباہی۔ محبت کی تیرگیان وغیرہ۔

برق کی دیوی مغربی معاشرت کا دلکش افسانہ صورت پرستوں کے لئے تالیف
شباب کی قدر و قیمت۔

ناول فہرست ہمارے چھٹے واپالوں واپجہ کے کارنامہ بھولے پن کی تصویر
فراتون کا مرقع ایک جلیبی بازار دوسرے کا ارتکاب۔ اللہ اللہ ہون کی محبت۔

ہما و یورپ رشتا و تاج رشتہ

CALL No. 1915 532 ACC. NO. 92985
 AUTHOR Li. j. 033.
 TITLE C. 1. B

1915 532

92985

Li. j. 033.

C. 1. B

STACKS

ED AT THE TIME

Date	No.	Date	No.
URDU STACKS			



MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

